Author Marx, Karl
Title Märks awr Hindustan .

MG4 .M392m .U 39009

K.P. No. 203

K.P. No 203

ضرورتیں ہی انھیں اس پر مجبور کر دیں گی۔ لیکن سماج کی اشتراکی سوشلسٹی تنظیم تک پہو
سے پہلے ان ملکوں کو کن سماجی اور سیاسی مرحلوں سے ہو کر گذرنا پڑے گا۔ اس
بارے میں آج ہم شاید صرف قیاس آرائی کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات یقینی
مزدور طبقہ فتح مند ہو کر دوسری قوموں پر اپنی برکتیں زبردستی نازل نہیں کر سکتا۔
کرنے میں اس کی اپنی فتح کی بنیاد کمزور ہو جائے گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں
وہ دفاعی جنگ بھی نہ کرے۔

(اینگلس کا خط بنام کاٹسکی۔ لندن مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۸۸۲ء)

جینت بھٹ نے قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ ممبئی ۳ میں طبع کروا کر پیپلز
پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۰ بی کھیت واڑی۔ بین روڈ ممبئی ۴ سے شائع کیا

اور اس دھوکہ میں آجانا! مختصر لفظوں میں یہی پارلیمانی دانائی ہے۔

(مارکس کا خط بنام ڈسے نلیس۔ لندن مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۸۱ء)

آپ پوچھتے ہیں کہ نوآبادیاتی پالیسی کے متعلق انگریز مزدور کی کیا رائے ہے؟
وہی جو عام طور سے سیاست کے متعلق ہے۔ یعنی وہی جو سرمایہ داروں کی رائے ہے۔ یہاں
مزدوروں کی کوئی پارٹی تو ہے نہیں۔ یہاں تو صرف قدامت پسند ہیں یا روشن خیال ترقی
پسند۔ اور جہاں تک مزدوروں کا تعلق ہے تو وہ بھی خوشی خوشی اس مال غنیمت کا حصہ لینے
پہنچ جایا کرتے ہیں جو انگریز اجارہ دار دنیا کی منڈی اور نوآبادیوں سے لاتے ہیں۔ میرا
خیال ہے کہ صحیح معنی میں جو نوآبادیات ہیں یعنی جن ملکوں میں یورپ والے جاکر آباد ہوگئے
ہیں جیسے کینڈا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، وہ سب آزاد ہوجائیں گے۔ اس کے برعکس
جن ملکوں میں دیسی آبادی ہے جنھیں محض غلام بنا لیا گیا ہے، جیسے ہندستان، الجزائر
ولندیزوں، پرتگیزوں اور ہسپانیوں کے مقبوضات، انھیں کچھ دنوں تک مزدور طبقے
کو اپنی نگرانی میں لینا ہوگا، اور جتنی تیزی سے ہوسکے آزادی کے راستے پر لے چلنا ہوگا
اس سلسلے میں واقعات کیا صورت اختیار کریں گے، یہ کہنا مشکل ہے۔ ہندستان میں
ممکن ہے بلکہ قرینہ غالب ہے کہ انقلاب آئے گا۔ اور چونکہ مزدور طبقہ جو خود آزاد ہو رہا
ہے محکوم ملکوں پر جنگ نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس انقلاب کو کھل کر کھیلنے کا موقع
دینا ہوگا۔ بے شک یہ انقلاب بہت کچھ برباد کئے بغیر ٹلنے والا نہیں ہے یہ تو ہر انقلاب
کا ایک لازمی جزو ہے۔ دوسری جگہوں جیسے الجزائر اور مصر وغیرہ میں بھی یہی صورت
پیش آسکتی ہے اور ہمارے لئے اس سے بہتر اور کیا ہوگا؟ گھر پر کرنے کو ہمارے
لئے بہت کام پڑے ہوں گے۔ ایک بار یورپ اور شمالی امریکہ کی نئے سرے سے
تنظیم ہوجائے تو اس سے اتنی زبردست طاقت پیدا ہوگی اور ایسی مثال قائم ہوجائے
گی کہ نیم مہذب ممالک آپ ہی آپ اس کے نقش قدم پر چلنے لگیں گے۔ صرف معاشی

کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ کوئی چیز برآمد کرکے وہاں بھیجی جاسکتی ہے۔
ان دریافتوں اور فتوحات کا، جن کا مقصد محض تجارت کو فائدہ پہونچانا تھا، صنعت
کتنا زبردست اثر پڑا۔ انھوں نے اولاً اس بات کی ضرورت پیدا کی کہ مال برآمد کر
ان ملکوں کو بھیجا جائے اور پھر بڑے پیمانے کی صنعت کو ترقی دی۔

(اینگلس کا خط بنام کارل شمٹ لندن۔ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۸۹۰ء)

ہندستان میں انگریزی حکومت کو اگر عام بغاوت نہیں، تو سخت دشوار ہو
کا سامنا ضرور کرنا ہوگا۔ ہندستانیوں سے ہر سال انگریز جو کچھ لیا کرتے ہیں مثلاً مالگذ
یا ریلوے میں (جو ہندستانیوں کے لئے بالکل بے کار چیز ہے) لگائے ہوئے سرمایہ
کا منافع، فوجی اور سول سروس کے ملازموں کی پنشنیں، جنگ افغان اور دوسر
جنگوں کے اخراجات وغیرہ وغیرہ اس کے عوض میں وہ انھیں کچھ بھی نہیں دیتے،
ہندستان کے اندر رہتے ہوئے وہ جو کچھ اپنے تصرف میں لاتے ہیں وہ اس کے
ہے۔ چنانچہ اگر صرف انھیں اجناس کی قدر کا اندازہ کیا جائے جو ہندستانیوں کو
سال بلامعاوضہ انگلینڈ بھیجنی پڑتی ہیں تو وہ کل ملاکر ہندستان کے چھ کروڑ زراعتی
صنعتی مزدوروں سے زیادہ ہوگی۔ کتنی بے دردی سے ہندستانیوں کا خون بہایا جا
ہے۔ ایک کے بعد ایک قحط سالیوں کا تانتا بندھ گیا ہے۔ اور ان کی شدت اتنی ز
ہے کہ یورپ میں کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سچ پوچھیے تو اندر ہی اندر ایک
سازش شروع ہوگئی ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں متحد ہیں۔ برطانوی حکوم
کو اس کا کچھ احساس تو ضرور ہے لیکن یہ بہی مغز قوم (میری مراد ان کے ارباب حکومت
سے ہے) جو خود اپنی پارلیمانی طرز گفتگو اور طرز فکر سے ایک مضحکہ بن کر رہ گئی ہے۔ اور
آنکھ کھول کر دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی کہ خطرہ جو سر پر آپہونچا ہے
اس کی پوری اہمیت کا اندازہ لگائے، دوسروں کو دھوکہ دینا، اور ان کو دھوکہ د

لگتے ہیں اور غیر ملکوں میں نوآبادیاں بسنے لگتی ہیں۔ ان ملکوں میں مادری ملک کے لئے کچا مال پیدا ہونے لگتا ہے، چنانچہ اون پیدا کرنے کے لئے اسٹریلیا کو اسی طرح نوآبادی بنایا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے کام کی ایک نئی اور بین الاقوامی تقسیم ہونے لگتی ہے۔ اس تقسیم کار سے جدید صنعت کے اہم مرکزوں کی ضرورتیں زیادہ اچھی طرح پوری ہوتی ہیں اور دنیا کا ایک حصہ زراعتی پیداوار کے لئے مخصوص ہوجاتا ہے۔ جہاں سے دوسرے حصے کو صنعتی پیداوار کے لئے کچا مال فراہم کیا جاتا ہے۔

(سرمایہ۔ از کارل مارکس۔ جلد اول صفحہ ۴۹۲)

زیادہ دور کے ملکوں میں جہاں سونا چاندی آسانی سے نہیں مل سکتے جب انگلینڈ سے آئے ہوئے مال کی ادائیگی کے لئے ہنڈیاں کافی تعداد میں نہیں ملتیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر جو چیزیں انگلینڈ بھیجی جاتی ہیں ان کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ ہنڈیوں کے بجائے انھیں چیزوں کو بھیجنا پڑتا ہے اور اس طرح ان کی طلب زیادہ ہوجاتی ہے۔ ہندستان میں اکثر یہی صورت حال پیش آتی ہے۔

۱۸۴۳ء کے دوران میں ہندستان سے بڑی مقدار میں چاندی انگلستان بھیجی گئی۔ کیونکہ ہنڈیاں بڑی مشکل سے دستیاب ہوتیں اور ان کی ساکھ اتنی کم تھی کہ لوگ آسانی سے انھیں قبول نہیں کرتے۔ ۱۸۴۷ء کے بحران کے بعد ہندستانی بیوپار کی ساکھ بہت گھٹ گئی تھی۔ یہاں کی چاندی نے پہونچنے کے بعد فوراً ہی (انگلینڈ سے) یورپ ہڑپ لیا۔ انقلاب کی وجہ سے وہاں جگہ جگہ ذخیرے قائم ہو گئے تھے۔ پھر یہی چاندی ۱۸۵۰ء میں واپس ہندستان بھیج دی گئی۔ کیونکہ تبادلہ کی شرح ایسی تھی کہ اس کو وہاں فروخت کرنے میں نفع تھا۔

(سرمایہ۔ از کارل مارکس۔ تیسری جلد)

پرتگیزوں، ولندیزوں اور انگریزوں نے ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک ہندستان کے علاقے فتح کئے تو مقصد ہندستان سے اپنے اپنے ملک میں مال درآمد کرنا تھا۔ یہ بات

تجارت میں پلّہ بھاری ہونے کے بعد اور اس کی وجہ سے صنعت میں غلبہ حاصل ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ اس وقت اس (نوآبادیاتی) نظام کی اہمیت اتنی زیادہ تھی اور اسی کی بدولت "ایک عجیب و غریب[1] دیوتا" یورپ کے پرانے دیوتاؤں کے ساتھ آ کر قربان گاہ پر کھڑا ہو گیا۔ اور تڑکے دوسرے دن ایک ٹھوکر میں ہی ان سبھوں کا مار کر صفایا کر دیا۔ اور تب اس نے اعلان کیا کہ انسانیت کا واحد مقصد اور منتہا یہ ہے کہ قدر زاید پیدا کی جائے۔

(سرمایہ۔ از کارل مارکس۔ جلد اول صفحہ ۸۲۳)

مشین کا فوری اثر ایک طرف یہ ہوا کہ کچا مال زیادہ فراہم ہونے لگا۔ اس کی صورت وہی ہے جیسے مثال کے طور پر روئی اوٹنے کی مشین سے روئی کی پیداوار میں اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسرے مشین کی مصنوعات کی ارزانی اور ذرائع نقل و حمل کی ترقی نے گویا بیرونی منڈیاں فتح کرنے کا ایک ہتھیار فراہم کر دیا۔ مشین دوسرے ملکوں میں دست کاری کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور اس طرح انھیں مجبور کرتی ہے کہ صرف کچا مال پیدا اور مہیا کریں۔ چنانچہ اسی طرح برطانیہ نے ہندستان کو روئی، سن، جوٹ اور نیل پیدا کرنے پر مجبور کر دیا۔ جدید صنعت جہاں کہیں قدم جماتی ہے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کو "ضرورت سے زیادہ" کے زمرے میں ڈال دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کرنے

(گذشتہ صفحہ کا نوٹ) کارخانہ داری کہا جاتا ہے۔ کارخانہ داری کی صورت یہ تھی کہ ایک خوشحال مستری یا استاد کاریگر کی دکان یا "کارخانے" میں بہت سے کاریگر جمع ہو کر اپنے چھوٹے چھوٹے اوزاروں سے چیزیں تیار کرتے تھے۔ ہمارے ملک میں موچیوں وغیرہ کے بہت سے پیشے ایسے ہیں جن میں آج بھی یہ صورت پائی جاتی ہے۔

[1] مراد سرمایہ داری نظام ہے۔

قتل کرنا شروع کیا۔ اور برطانوی پارلیمنٹ نے برملا کہا کہ سراغ رساکتوں کو تعاقب میں بھیجنا اور کھوپری اتار لینا، خدا اور قدرت نے یہی ہتھیار فراہم کئے ہیں۔"

نوآبادیاتی نظام کی مدد سے تجارت اور جہاز رانی کو عروج حاصل ہوا تو ھرکی "اجارہ دار مجلس" نے سرمایہ کے اجتماع میں بڑی مدد پہونچائی۔ نوخیز کارخانہ داروں کو نوآبادیات میں بنی بنائی منڈی مل گئی اور منڈی کے اجارے کی بدولت سرمائے کا اور اجتماع ہونے لگا۔ یورپ کے باہر کھلم کھلا لوٹ اور خونریزی کے ذریعے اور انسانوں کو غلام بنا کر جو خزانہ حاصل کیا گیا، اُسے مادری ملک[1] بھیج دیا گیا۔ اور وہاں آکر اس نے سرمایہ کی حیثیت اختیار کی۔ ہالینڈ نے سب سے پہلے نوآبادیاتی نظام کو ترقی دی تھی اور ۱۶۴۸ء میں ہی اس کی تجارت اپنے عروج پر پہونچ چکی تھی۔" ہندستان کی تجارت اور جنوب مشرق سے شمال مغربی یورپ کی تجارت پر تنہا اسی کا قبضہ تھا۔ ماہی گیری، جہاز رانی اور کارخانہ داری میں وہ تمام ملکوں سے بڑھا چڑھا تھا۔ ہالینڈ کی جمہوری حکومت کے مجموعی سرمائے کی اہمیت سارے یورپ کے مجموعی سرمائے سے بڑھی ہوئی تھی۔" لیکن گولیچ یہ لکھنا بھول گیا کہ ۱۶۴۸ء میں ہالینڈ کے لوگ سارے یورپ کے مقابلے میں کہیں زیادہ افلاس زدہ اور مظلوم تھے اور ان سے کہیں زیادہ مشقت لی جاتی تھی۔

آج صنعت میں پلّہ بھاری ہونے کی بدولت تجارت میں بھی پلّہ بھاری ہوتا ہے۔ لیکن صحیح معنی میں کارخانہ[2] داری کے زمانہ میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اس وقت

---

[1] کوئی ملک اپنی نوآبادیوں کے مقابلہ میں مادری ملک کہلاتا ہے، جیسے کنیڈا یا آسٹریلیا وغیرہ کے لئے انگلستان۔

[2] معاشی تاریخ میں صنعتی سرمایہ داری یعنی بڑے پیمانے کی مشینی صنعت سے پہلے کا دور

نیو انگلینڈ کے پیوریٹن حضرات نے سنہ ۱۷۰۳ء میں اپنی اسمبلی میں ایک قانون بنایا جس کی رو سے امریکہ کے قدیم باشندوں یعنی سُرخ ہندستانیوں کی ایک کھوپڑی یا ان کو زندہ پکڑ لانے کا انعام چالیس پونڈ مقرر کیا تھا۔ سنہ ۱۷۴۴ء میں جب ماساچوسٹ نے کسی قبیلے کو باغی قرار دیا تو مندرجہ ذیل نرخ مقرر کیا گیا تھا۔ بارہ برس سے زیادہ عمر کے مرد کی کھوپڑی کے لئے سو پونڈ۔ مرد قیدی ایک سو پانچ پونڈ۔ عورتوں اور بچوں کی کھوپڑی کے لئے یا زندہ پکڑ کر لانے کے لئے پچاس پونڈ۔ کوئی بیسیوں برس بعد اس نو آبادیاتی نظام نے ان خدا ترس مہاجرین سے اپنا انتقام لیا۔ اس دوران میں خود یہ حضرات حکومت کے باغی قرار دئے گئے تھے۔ انگریزوں کے اشتعال پر اور انگریزوں سے پیسہ لے کر سُرخ ہندستانیوں نے انھیں اپنے ٹوم ہاک[۲] سے

---

[۱] (صفحہ ۱۲۱ کا نوٹ) پروٹسٹنٹ، عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو سولہویں صدی میں رومی کلیسا سے علیحدہ ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ عیسائی مذہب میں رومی کلیسا نے بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں۔ پروٹسٹنٹ عیسائی جن کا رہنما لوتھر تھا ان بدعتوں کو دور کرنا چاہتے تھے۔ انگلستان میں اسی پروٹسٹنٹ فرقے کی ایک شاخ پیوریٹن کے نام سے مشہور تھی۔ یہ لوگ بڑے کٹر مذہبی تھے اور سختی سے اپنے صحیفوں پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ رومی کلیسا اور کیتھولک مذہب جاگیری زمانے کی چیزیں تھیں۔ سولہویں صدی میں جو نیا سرمایہ دار طبقہ ابھر رہا تھا اس کی نشو و نما میں جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ پوپ اور رومی کلیسا بھی حائل ہوا۔ چنانچہ اس نے رومی کلیسا کے خلاف بغاوت کی مگر مذہب ہی کے نام پر اس نے اپنی زندگی کے نئے حالات میں نئی ضرورتوں کے مطابق ایک نیا مذہب بنایا جس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ یہی عیسائیت کی اصلی صورت ہے اور یہی پروٹسٹنٹ مذہب تھا۔ [۲] امریکہ کے اصلی باشندوں یعنی سرخ ہندستانیوں کا ایک ہتھیار۔

سرکاری تجارت میں گورنر جنرل کا حصّہ بھی ہوا کرتا ہے۔ جن لوگوں پر اس کی نظر عنایت ہوتی ہے انھیں وہ ٹھیکہ دیا کرتا ہے۔ اور شرطیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ کیمیاگروں پر بھی بازی مارے جاتے۔ اور گویا مٹی سے سونا بنانے لگتے ہیں۔ آن کی آن میں برساتی کیڑے مکوڑوں کی طرح ان گنت دولتمند پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک پائی پیشگی لگائے بغیر سرمائے کا ابتدائی اجتماع ہوا تھا۔ وارن ہسٹنگز کے مقدمے میں ہزاروں ایسے واقعات سامنے آئے جن کی ایک مخصوص مثال یہ ہے: سلیون نامی ایک شخص کو افیون کا ٹھیکہ دیا گیا۔ اس وقت وہ سرکاری کام سے ایسی جگہ بھیجا جا رہا تھا جو افیون پیدا کرنے والے ضلعوں سے بہت دور تھی۔ چنانچہ اس نے اپنا ٹھیکہ ایک اور شخص بن کے ہاتھ چالیس ہزار پونڈ میں فروخت کر دیا۔ بن نے اس ٹھیکہ کو اسی روز ساٹھ ہزار پونڈ میں بیچ دیا۔ اور آخری آدمی جس نے ٹھیکہ خریدا اور اس کو پورا کیا، کہتا ہے کہ اس نے اس کام میں بے منافع حاصل کیا۔ پارلیمنٹ کے سامنے ایک فہرست پیش ہوئی تھی جس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۷۵۷ء سے سنہ ۱۷۶۶ء تک کمپنی اور اس کے ملازموں کو ہندستانیوں سے ساٹھ لاکھ پونڈ مالیت کے تحفے ملے۔ سنہ ۱۷۶۹ء اور سنہ ۱۷۷۰ء میں انگریزوں نے سارا چاول خرید کر ذخیرہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سخت قحط سالی کی حالت پیدا ہو گئی اور انگریزوں نے اسی چاول کی من مانی قیمت وصول کی۔ جزائر غرب الہند وغیرہ نوآبادیوں میں جہاں برآمد کی غرض سے کاشت کی جاتی تھی اصلی باشندوں کو بے انتہا اذیت دی گئی۔ اور یہی حال میکسیکو اور ہندستان جیسے دولت مند اور آباد ملکوں کا تھا۔ یہاں تو عام لوٹ کھسوٹ جاری تھی۔ لیکن صحیح معنی میں جو نوآبادیات کہلاتی ہیں وہاں بھی سرمائے کا ابتدائی اجتماع کرنے میں عیسائی خصلت کا پورا اظہار کیا گیا۔ پروٹسٹنٹ مذہب کے خداترس اور نیک سیرت بزرگوں یعنی

چوری کی خاص تربیت دی جاتی تھی چور اس کا ترجمان اور بیچنے والا۔ یہی تین اس پیشے کے اصلی کارندے ہیں۔ بیچنے والوں میں سب سے بڑے خود اس دیس کے راجے مہاراجے ہیں۔ نوجوانوں کو چوری سے پکڑ کر خفیہ تہ خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس وقت تک وہاں رکھا جاتا ہے جب تک انھیں کشتیوں میں بھیجنے کا پورا بندوبست نہ ہو جائے، ایک سرکاری رپورٹ میں درج تھا کہ "صرف ایک مکستر کے شہر میں ہی بے شمار خفیہ قید خانے موجود ہیں اور ان میں ایک سے ایک بڑھ کر ہولناک ہے اور سبھی ان بدنصیب انسانوں سے بھرے پڑے ہیں جنھیں لالچی اور ظالم لٹیروں نے زبردستی گھربار سے چھڑایا۔ اور پا بہ زنجیر کر کے یہاں رکھدیا ہے۔"

ملکّا پر قبضہ کرنے کے لئے ولندیزوں نے وہاں کے پرتگیز گورنر سے رشوت دینے کا وعدہ کیا۔ ۱۶۴۱ء میں اس نے شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ سب سے پہلے اسی کے گھر کی طرف دوڑے اور اس کو قتل کر دیا۔ تاکہ ۲۱۰۷۵ پونڈ اس کی غداری کی قیمت نہ ادا کرنی پڑے۔ جہاں کہیں ان کے قدم پڑے بربادی نے اپنا گھر بنایا اور آبادیاں ویران ہو گئیں۔ بنگیو دنگی جاوا کا ایک صوبہ ہے جس کی آبادی ۱۷۵۰ء میں اسی ہزار تھی اور ۱۸۱۱ء میں اٹھارہ ہزار۔ یہ ہے تجارت کی برکت!

اور انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا حال تو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس نے ہندستان کی سیاسی حکومت پر قبضہ کیا۔ اس کے علاوہ چاء کی تجارت اور چین کی عام تجارت کا اجارہ اور یورپ سے سامان لانے لیجانے کا پورا حق حاصل کر لیا۔ لیکن ہندستان کی ساحلی اور جزیروں کی آپس کی تجارت اور خود ہندستان کی اندرونی تجارت کمپنی کے بڑے بڑے ملازموں کا اجارہ ہے۔ نمک، افیون، پان وغیرہ اجناس کا اجارہ گویا دولت کی کان ہے۔ جو کبھی ختم ہونے کو نہیں آتی۔ کمپنی کے ملازم خود قیمت مقرر کرتے اور من مانے طور پر بدنصیب ہندستانیوں کو لوٹا کرتے ہیں۔ اس

کا نظام ہے لیکن ریاستی اقتدار یعنی سماج کے مجتمع اور منظم تشدد سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جاگیری طریقہ پیدا وار کو سرمایہ دارانہ طریقہ پیدا وار میں بدلنے کی رفتار جہاں تک ہو سکے تیز کردی جائے اور اس کا درمیانی وقفہ کم کیا جائے۔ ہر پرانے سماج کے لئے جو اپنے بطن میں ایک نئے سماج کا حامل ہوتا ہے، تشدد دائی کا کام کرتا ہے۔ تشدد خود ایک معاشی طاقت ہے۔

مسٹر ولیم ہاوِٹ جنھوں نے عیسائیت کا خاص مطالعہ کیا ہے محکوم ملکوں میں عیسائی نظام حکومت کی بابت لکھتے ہیں کہ "جو قومیں عیسائی کہلاتی ہیں انھوں نے دنیا کے ہر علاقے میں اور ہر قوم پر جس پر ان کا بس چلا، ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ڈھائے ہیں جس کی مثال جب سے دنیا قائم ہے آج تک کسی وحشی سے وحشی، غیر متمدن، انتہائی بے رحم اور بے شرم قوم میں بھی نہیں ملتی۔" سترہویں صدی کی سرمایہ دار قوموں میں ہالینڈ ہی سب سے پیش پیش تھا۔ اور اپنی نوآبادیوں میں ہالینڈ کی حکومت کی تاریخ "بدترین قسم کی دھوکہ بازی، رشوت ستانی، کمینہ پن اور خونریزی" کی کہانی ہے۔ اور اس میں سب سے زیادہ قابل ذکر چیز ان کا آدمیوں کو چرانے کا طریقہ ہے۔ اسی طریقہ سے ان کو جاوا سے غلام ملا کرتے تھے۔ آدم چوروں کو اس

---

۱ مثل مشہور ہے کہ روپیہ سے روپیہ پیدا ہوتا ہے۔ سرمایہ اگر ایک بار جمع ہو جائے تو پھر "آپ ہی آپ" بڑھتا رہتا ہے۔ مگر یہ "پہلی بار" کا سرمایہ کہاں سے آتا ہے؟ سرمایہ داروں کا دعویٰ ہے کہ وہ ان کی یا ان کے آبا و اجداد کی محنت کی کمائی ہے۔ مگر مارکس نے ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ ابتدائی سرمایہ بیشتر محکوم ملکوں اور نوآبادیوں جیسے ہندستان، افریقہ، امریکہ وغیرہ کے باشندوں کو کھلم کھلا لوٹ کر جمع کیا گیا تھا۔ اسی کو مارکس "سرمایہ کا ابتدائی اجتماع" کہتا ہے۔

سرمایہ جمع کرنے کے ابتدائی طریقے

امریکہ میں سونے اور چاندی کی دریافت، اصلی باشندوں کی بربادی ان کا غلام بنایا جانا اور قبرنما کانوں میں بند کیا جانا، ہندستان میں فتوحات اور لوٹ کھسوٹ کی ابتدا، افریقہ کا ایک بڑا شکار گاہ بن جانا اور تجارت کے لئے وہاں کالے آدمیوں کا شکار وغیرہ۔ یہی باتیں خبر دے رہی تھیں کہ سرمایہ دارانہ پیداوار کے عہد کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ یہی شاندار کارنامے سرمائے کے ابتدائی اجتماع کو زور پہونچا رہے تھے، انھیں کے نقش قدم پر چلتی ہوئی یورپی قوموں کی تجارتی جنگ آپہونچی اور ساری دنیا جنگ کا میدان بنی۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ اسپین کے خلاف ہالینڈ نے بغاوت کا علم اٹھایا، انگلینڈ کی جیکوبن دشمن جنگ میں اس نے دور دور ہاتھ پھیلائے اور چین کے خلاف افیون کی جنگ میں اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

سرمائے کے ابتدائی اجتماع کو جن مختلف چیزوں سے مدد ملتی ہے وہ تقریباً تاریخ وار انداز میں اسپین، پرتگال، ہالینڈ، فرانس اور انگلینڈ میں بٹی رہی ہیں۔ سترہویں صدی کے آخر میں انگلینڈ میں وہ باقاعدہ اکٹھا ہو گئی تھیں۔ اس میں نو آبادیاں، قومی قرضہ، محصول کا جدید طریقہ اور حفاظتی محصول سبھی شامل ہیں۔ ایک حد تک یہ طریقے بہیمانہ تشدد پر مبنی ہیں جس کی ایک مثال نو آبادیوں

اور آج حال یہ ہے کہ ڈھاکہ ضلع میں انگریزی سوت اور کپڑوں کی افراط ہے۔ ڈھاکہ کی ململ کی نفاست اور پائداری میں اس کا ساری دنیا میں نام تھا، آج انگریزی مشینوں کے مقابلے میں میدان ہار چکی ہے۔ ہندستان میں ان لوگوں کی پوری کی پوری جماعتوں کو جیسی مصیبتیں اٹھانی پڑی ہیں، اس کی مثال تجارت کی ساری تاریخ میں مشکل سے اور کہیں مل سکے گی۔"

مسٹر براوننگ کی تقریر خاص کر اس لئے قابل ذکر ہے کہ اس نے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور جس قسم کی باتوں سے وہ انھیں درگذر کے قابل قرار دینا چاہتا ہے وہ منافقت پر مبنی ہیں۔ آزاد تجارت کی تمام دلیلوں میں یہ منافقت موجود ہے۔ وہ یہ دکھاتا ہے کہ مزدور ذرائع پیداوار ہیں۔ وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے جس محنت کا ذکر کیا وہ ایک خاص قسم کی محنت ہے اور وہ مشین بھی جس نے جلاہوں کو برباد کیا۔ ایک خاص قسم کی مشین تھی۔ وہ یہ بھول گیا کہ کوئی مزدور ایسا نہیں جس کا ایک نہ ایک دن حشر وہی نہ ہو جو ان جلاہوں کا ہوا۔

(آزاد تجارت کے موضوع پر کارل مارکس کی تقریر)

لگان کی شرح ہر جگہ کم ہونے لگی۔ یورپ میں ہر جگہ قیمتیں گرنے لگیں، اور مزید جو سرمایہ لگایا گیا، اس کی بار آوری پہلے سے بہت کم ہوتی گئی۔ چنانچہ اسکاٹ لینڈ سے اٹلی اور جنوبی فرانس سے مشرقی جرمنی تک ہر طرف زمینداروں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ خوش نصیبی یہ ہے کہ گیاہستان کی تمام زمینیں زیر کاشت نہیں آئی ہیں۔ ورنہ اپنی زمینیں تو اتنی پڑی ہیں کہ یورپ کے بڑے اور چھوٹے سبھی زمینداروں کو ایک ساتھ بربادی کے گھاٹ اتار آئیں۔

("سرمایہ"۔ تیسری جلد۔ صفحہ ۸۴۲)

ڈاکٹر براوننگ کہتے ہیں:۔ گورنر جنرل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے چند خطوط میرے سامنے ہیں ان خطوط میں ڈھاکہ ضلع کے جلاہوں کا ذکر ہے۔ گورنر نے اپنے خط میں لکھا ہے:۔

"چند سال پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سترّ اسّی لاکھ سوتی کپڑے خریدے جنھیں دیسی کرگھوں پر تیار کیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ طلب کم ہوتی گئی۔ اور دس لاکھ پارچہ رہ گئی۔ مگر اس وقت بالکل بند ہو گئی ہے"۔ اس کے علاوہ ۱۸۰۰ء میں شمالی امریکہ نے ہندستان سے سوتی کپڑے کے آٹھ لاکھ پارچے خریدے تھے۔ لیکن ۱۸۳۰ء میں چار ہزار بھی نہیں لیا۔ ۱۸۰۰ء میں دس لاکھ پارچے پرتگال بھیجے گئے تھے۔ ۱۸۳۰ء میں پرتگال نے بیس ہزار سے زیادہ نہیں لیا"۔

"ہندستانی جلاہوں کی داستان مصیبتوں سے بھری ہوئی ہے اور اس مصیبت کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب منڈی میں انگریز کارخانہ داروں کی موجودگی ہے جو انھیں چیزوں کو مشین سے تیار کرتے ہیں۔ بے شمار جلاہے بھوکوں مر گئے۔ جو باقی بچے انھوں نے دوسرا پیشہ اختیار کر لیا۔ زیادہ تر کھیتوں پر مزدوری کرنے لگے۔ اور جو اس قابل نہیں تھے کہ دوسرا پیشہ اختیار کریں انھیں گویا موت کی سزا مل گئی

ہے اور وقت بچتا ہے۔ اس وجہ سے وہ بڑے پیمانے کے صنعتی مال کا نہایت سخت مقابلہ کرتی ہے۔ اور مصنوعات کی دشواری یہ ہے کہ ان کی قیمتوں کے سر پر ایک بوجھ پڑا ہوا ہے یعنی ان کی گردش کا خرچ۔ اس کے برعکس روسیوں کی تجارت انگریزوں سے مختلف ہے۔ وہ ایشیائی پیداوار کی معاشی بنیاد کو بالکل ہاتھ نہیں لگاتی۔

("سرمایہ" تیسری جلد صفحہ ۳۹۲)

بحری جہازوں اور شمالی اور جنوبی امریکہ اور ہندستان میں ریلوں کا رواج ہو جانے کی وجہ سے عجیب وغریب قسم کی زمینوں کے بڑے بڑے رقبے یورپ کی اناج کی منڈی میں مقابلے پر اتر آئے ہیں۔ ایک طرف شمالی امریکہ کے گیاہستان اور ارجنٹائن کے وسیع میدان ہیں جنھیں گویا خود قدرت نے کھیتی کے لئے زرخیز بنایا ہے۔ یہ بالکل کچی مٹی ہے جس پر اگر نہایت معمولی طریقے سے کھیتی کی جائے اور کوئی کھاد نہ استعمال کی جائے تو بھی وہ برسوں سونا اگل سکتی ہے۔ پھر روسی اور ہندستانی پنچایتوں کی زمینیں ہیں جنھیں روز بروز اپنی پیداوار کا ایک بڑا حصہ فروخت کر دینا ہوتا ہے۔ کیونکہ ریاست نہایت بے رحمی کے ساتھ اور اکثر سخت اذیت پہونچا کر ان سے جو لگان لیتی ہے اس کے لئے انھیں نقد روپے کی ضرورت ہے چنانچہ لگان ادا کرنے کا دن جب قریب آتا ہے تو کسان کو روپے کی اتنی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ وہ لاگت کی پرواہ کئے بغیر بیوپاری کے منھ مانگے دام پر اپنا مال اس کے حوالے کر دیتا ہے اور گیاہستان کی تازہ مٹی اور لگان کی مصیبت کے مارے ہوئے روسی اور ہندستانی کسانوں کے مقابلے میں یورپ کے کسانوں اور سرمایہ دار کاشتکاروں کے لئے پرانی شرح سے لگان ادا کرنا ناممکن ہوگیا۔ یورپ کی زمین کا ایک حصہ اناج پیدا کرنے کے اس مقابلے میں ناکام رہا۔ اور میدان سے باہر ہوگیا۔

سرمایہ داری سے پہلے کے، قومی، طریقہ پیداوار کی اندرونی مضبوطی اور گرہ بندی تجارت کے تباہ کن اثرات کا کیونکر مقابلہ کرتی ہے؟ اس کا بیّن ثبوت ہندستان اور چین کے ساتھ انگریزوں کے تعلقات میں ملتا ہے۔ طریقہ پیداوار کی بنیاد یہاں چھوٹے پیمانے کی زراعت اور گھریلو صنعت کے اتحاد پر قائم ہے ہندستان میں اس کے ساتھ پنچائتی نظام بھی شامل ہے۔ اور یہ زمین کی پنچائتی ملکیت پر بنی ہے۔ چین میں بھی ابتدائی صورت یہی تھی۔ ہندستان میں انگریزوں نے ان چھوٹی چھوٹی معاشی تنظیموں کو برباد کرنے کے لئے حکمران اور زمیندار کی حیثیت سے اپنی سیاسی اور معاشی دونوں طرح کی طاقتوں سے بیک وقت کام لیا۔ ان تنظیموں پر انگریزوں کی تجارت کا انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے۔ اس کے اثر سے ان کا شیرازہ منتشر ہوتا جاتا ہے۔ مگر یہ اثر وہیں تک محدود ہے جہاں تک انگریزوں کے مال کی ارزاں قیمتوں سے سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی دیسی صنعت برباد ہوتی ہے۔ انتشار کا یہ عمل بہت آہستہ آہستہ پورا ہو رہا ہے۔ چین میں اس کی رفتار اور بھی سُست ہے کیونکہ وہاں انگریز براہ راست کسی سیاسی طاقت سے کام نہیں لیتے۔ زراعت اور صنعت کے براہ راست تعلق سے بڑی کفایت ہوتی

مـ۱ اگر کسی قوم کی تاریخ، معاشیات کے ناکام اور صریح پوچھئے تو بے معنی (اور عملی اعتبار سے نہایت ذلیل) تجربوں سے بھری ہوئی ہے تو وہ ہندستان میں انگریزوں کے نظم و نسق کی تاریخ ہے۔ بنگال میں انھوں نے بڑے پیمانے پر انگریزی نظام اراضی کا مضحکہ خیز خاکہ اتارا ہے۔ جنوب مشرقی ہندستان میں چھوٹے چھوٹے قطعاتِ اراضی قائم کئے ہیں۔ شمال مغرب میں انھوں نے پوری کوشش کی کہ ہندستانی پنچائت اور زمین کی پنچائتی ملکیت کو خود اسی کی بے معنی نقل بنا کر چھوڑ دیں۔ (انگلس)

چراگاہ سب کے مشترکہ استعمال کے لئے چھوڑ دی جاتی تھیں۔

("قاطع ڈوہرنگ"۔ از انگلس)

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان تمام صورتوں میں جن میں اصل محنت کرنے والا ذریعہ پیداوار پر قابض ہوتا ہے اور وہ حالات جن میں وہ محنت کرکے اپنے وسائل معاش پیدا کر سکتا ہے اس کے قابو میں ہوتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں اگر اصل مال پیدا کرنے والے کو آزاد نہیں ہونے دیتا ہے، تو ملکیت کے تعلق کے لئے یہ ضروری ہے کہ براہ راست حاکم اور محکوم کا تعلق بن کر اثر انداز ہو۔ آزادی سے یہ محرومی کبھی زرعی غلامی اور بیگاری اور کبھی بدل کر محض باجگذاری کے تعلق کی صورت اختیار کر سکتی ہے ہمارے مفروضے کے مطابق اصل مال پیدا کرنے والا یہاں اپنے ذرائع پیداوار پر خود قابض ہے۔ اور اپنی محنت کو بروئے کار لانے اور وسائل معاش کو پیدا کرنے کے لئے محنت کے جو مادی حالات ضروری ہیں وہ بھی اس کے بس میں ہیں۔ وہ ایک آزاد مال پیدا کرنے والے کی طرح کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس کے ساتھ جن دیہی خانگی صنعتوں کا تعلق ہے۔ ان میں بھی مصروف ہوتا ہے۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے کسان اگر پیداوار کے معاملے میں آپس میں ایک پنچائت قائم کرلیں، جیسا کہ ہندستان میں ہوتا ہے، تو اس سے یہ آزادی ختم نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ یہاں سوال ہے جاگیردار سے آزاد ہونے کا، جو صرف نام کے لئے زمین کا مالک ہے۔ ایسی حالتوں میں جو شخص برائے نام زمین کا مالک ہوگا وہ معاشی تدبیروں کے ذریعہ ان لوگوں سے اپنے لئے "زائد محنت" نہیں لے سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان لوگوں کو مجبور کرنے کے لئے دوسری تدبیریں اختیار کرے[1]۔

("سرمایہ" از مارکس، تیسری جلد صفحہ ۹۱۸)

---

[1] کسی ملک پر قبضہ کرنیکے بعد فاتح کا اگلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنائے

وقفے پر افراد میں تقسیم کرنے کا رواج قائم ہوتا ہے، زر اسے بھی مٹاتا ہے اور زمین پر افراد کی مستقل ملکیت قائم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں پنچایتی جنگل کی زمین کا بھی بٹوارہ ہو جاتا ہے۔ صنعت کی ترقی سے اور بھی کئی اسباب پیدا ہوتے ہیں، اور اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ مگر ان سب میں پنچایتی سماج کو برباد کرنے والا سب سے بڑا ہتھیار زر ہے۔

(ملاحظہ ہو "قاطع ڈوہرنگ" از انیگلس۔ صفحہ ۲۵۶)

سرمایہ داری سے پہلے کی پیداوار کے طریقوں پر سود خوری انقلابی اثر پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ اثر یہیں تک محدود ہے کہ اس سے ملکیت کی وہ صورتیں جن پر سیاسی تنظیم کی بنیاد قائم تھی برباد ہو جاتی ہے۔ ان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ سیاسی تنظیم کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت تھی کہ ملکیت کی وہ صورتیں برابر قائم رہیں۔ ایشیائی حالات میں یہ بخوبی ممکن ہے کہ سود خوری بہت دنوں تک قائم رہے اور معاشی انتشار اور سیاسی نقص، اور بوسیدگی کے سوا اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ ایک طرف جاگیرداروں اور چھوٹے پیمانے کی پیداوار کو تباہ و برباد کرکے اور دوسری طرف ذرائع پیداوار کو سرمایہ کی صورت میں چند ہاتھوں میں اکٹھا کرکے سود خوری نئے طریقہ پیداوار کو قائم کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ مگر یہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک سرمایہ دارانہ پیداوار کی دوسری ضروری شرطیں نہ پوری ہو جائیں

("سرمایہ" از کارل مارکس۔ تیسری جلد)

ہندستان سے آئرستان تک بڑے بڑے قطعوں میں اراضی کا استحصال قبائلی اور دیہی پنچایتی ملکیت سے شروع ہوا۔ یہی اس کی ابتدائی شکل تھی۔ کہیں برادری کے سبھی ارکان کے فائدے کے لئے زمین پر مشترکہ کھیتی ہوتی اور کہیں پنچایت تھوڑی تھوڑی مدت پر زمین کے مختلف ٹکڑے مختلف کنبوں میں بانٹ دیا کرتی۔ مگر جنگل اور

اس کے بعد اجناس کی صورتیں عام ہو جاتی ہیں۔ جو چیزیں براہ راست استعمال کی غرض سے پیدا کی جاتی ہیں انھیں زر تبادلے کے دائرے میں کھینچ لاتا ہے۔ اور اس طرح جنس بنا دیتا ہے۔ اور تب زر اور جنس تبادلہ اس سماج پر جو اجتماعی پیداوار میں مصروف تھا پے در پے حملے کرنے لگتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے سماجی بندشیں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ حتیٰ کہ سماج ٹوٹ کر بے شمار انفرادی مال پیدا کرنے والوں میں بٹ جاتا ہے۔ زر پنچایتی کھیتی مٹا کر انفرادی کھیتی کو رواج دیتا ہے۔ چنانچہ ہندستان میں یہی صورت پیش آئی تھی۔ پھر پنچایتی زمین کو بار بار مقررہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) " برابر ایک نہیں رہ سکتی۔ پہلے پہل انسان بذات خود اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورت کی چیزیں پیدا کر لیتا تھا۔ اس وقت نہ جنس تبادلہ تھی اور نہ قدر تبادلہ۔ سماجی تعلقات کی نوعیت ہی سرے سے مختلف تھی۔ پھر چھٹکر تبادلہ ہونے لگا۔ اس وقت " قدر کی ابتدائی صورت " ظہور میں آئی۔ یعنی ایک جنس کا دوسری جنس سے چھٹکر تبادلہ۔ تبادلہ بڑھا تو ایک جنس کا الگ الگ مختلف جنسوں سے تبادلہ ہونے لگا۔ یہ قدر کی پھیلی ہوئی صورت" ہے۔ بہت دنوں اس طرح تبادلہ ہوتا رہا۔ تو اس ایک جنس نے مستقل حیثیت اختیار کر لی۔ ہر چیز کے بدلے میں وہ پیش کی جانے لگی اور لوگ اسے قبول کرنے لگے۔ یعنی وہ جنس عام ذریعہ تبادلہ بن گئی۔ یہ " قدر کی عام صورت " ہے۔ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں مختلف جنسوں نے عام ذریعہ تبادلہ کی جگہ لی ہے۔ آخر میں چاندی سونے کو مستقل طور پر یہ جگہ دیدی گئی۔ یہی" قدر کی سونے کی صورت " ہے۔ جو زر یعنی روپے پیسے کی صورت اختیار کرنے پر" قدر کی صورت زر " کہلاتی ہے۔ اس موضوع کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو " سرمایہ " کا پہلا باب۔ مصنفہ کارل مارکس۔

قدیم معیشت پر زر اور سُود خوری کا اثر اور ہندستانی کسان کو لُوٹنے کے طریقے

سرمایہ داری کے اثر سے قدیم معیشت کی بربادی

اجناس یا تجارتی شے پیدا کرنے والے سماج میں جب اجناس کی قدر کی صورت[1] ترقی کر کے نقد کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو قدر کے بہت سے بیج جو اب تک دبے ہوئے تھے ابھرنے لگتے ہیں اور ان سے نئی کونپلیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ اس کے بعد اجناس کی صورتیں عام ہو جاتی ہیں۔ جو چیزیں براہ راست استعمال کی غرض سے پیدا کی جاتی ہیں

---

[1] جو چیزیں تبادلے کی غرض سے پیدا کی جاتی ہیں انھیں اجناس کہتے ہیں اور اجناس کی قدر منحصر ہے اس بات پر کہ ان کے تیار کرنے میں کتنی محنت صرف کی گئی کسی جنس کی قدر یا قدر تبادلہ مارکس کے نزدیک ایک سماجی تعلق ہے جو مختلف اجناس کے پیدا کرنے والوں میں قائم ہوتا ہے۔ مگر یہ تعلق انسانوں میں براہ راست نہیں بلکہ جنسوں کے ذریعے سے قائم ہوتا ہے۔ یعنی انسانوں کا تعلق ظاہر میں صرف ان کی محنت کی پیدا کی ہوئی جنسوں کا تعلق ہے یہی تعلق قدر ہے۔ لیکن اس تعلق کی صورت جسے مارکس "قدر کی صورت" کہتا ہے۔

ہونے کی ممانعت کی گئی تھی۔ ساری چیز معمولی سے معمولی تفصیلات تک قدیم جرمانوی پنچایتی نظام سے ہو بہو ملتی ہوئی ہے۔ روسیوں نے جو کچھ اپنا اضافہ کیا وہ صرف یہ ہے (اور وہ ہندستانی پنچایتی نظام کے ایک حصّے میں بھی پنجاب میں نہیں بلکہ دکن میں موجود ہے) پنچایت کی سرداری کا غیر جمہوری آبوی طریقہ اور (۲) ریاست کو لگان ادا کرنے کی اجتماعی ذمہ داری۔ اس دوسرے نکتہ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی روسی کاشت کار جتنا محنتی ہوگا اتنا ہی زیادہ ریاست اس کو لوٹے گی۔ صرف لگان ہی کے ذریعہ نہیں بلکہ فوج کی مسلسل آمد و رفت اور سرکاری ہرکاروں کے لئے اناج، مویشی وغیرہ کی وصولیابی کے ذریعہ بھی یہ سارا ناگفتہ بہ نظام اب رو بہ زوال ہے۔"

(خط "مارکس بنام اینگلس" لندن۔ ۷ نومبر ۱۸۶۸ء)

لیے اس قدیم صنعت کا برباد ہونا ضروری تھا تاکہ دیہات اپنی تمام ضرورتیں آپ پوری نہ کر سکیں۔

جاوا کے مشرقی ساحل کے پاس ایک جزیرہ بالی ہے وہاں یہ ہندو تنظیم اور اس کے ساتھ ہندوؤں کا مذہب ابھی تک صحیح و سالم موجود ہے۔ اس کی نشانیاں بھی ہندوؤں کے عام اثرات کی طرح سارے جاوا میں پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک ملکیت کا سوال ہے ہندستان پر لکھنے والے انگریز مصنفوں میں یہ ایک نزاعی مسئلہ بن گیا ہے، کرشنا کے جنوب کے پہاڑی علاقہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اراضی میں ذاتی ملکیت کا رواج تھا۔ اس کے برخلاف جاوا کے سابق انگریز گورنر سر اسٹیمفرڈ رلفیس نے اپنی کتاب "تاریخ جاوا" میں بتایا ہے کہ جاوا میں بادشاہ ساری زمین کا اپنا مالک ہوا کرتا تھا اور لگان وصول کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ بہر کیف معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ہی ایشیاء کے طول و عرض میں پہلے پہل یہ اصول جاری کیا کہ "زمین کسی کی بھی ملکیت نہیں"۔

اوپر میں نے جن دیہاتوں کا ذکر کیا تھا ان کا تذکرہ منو کے یہاں بھی موجود ہے اور ساری تنظیم کی بنیاد اس کے نزدیک یہ ہے:۔ ایک اعلیٰ تحصیلدار کے ماتحت دس ـــــ اس کے بعد ایک سو ـــــ اور اس کے بعد ایک ہزار۔

(خط "مارکس بنام انگلس" لندن مورخہ ۱۴ جون ۱۸۵۳ء)

زراعت کے انتشار کے بارے میں برہیم میرے لئے روسی کتاب سے اہم عبارتیں ترجمہ کر رہے ہیں اور انھوں نے ایک روسی مصنف شید و فراتی کی ایک فرانسیسی کتاب بھی مجھے پڑھنے کو دی۔ اس روسی نے ایک بڑی غلطی کی ہے اور بحیثیت مجموعی، وہ نہایت سطحی نظر کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ روسی پنچائتی نظام پہلے پہل اس قانون سے پیدا ہوا جس میں کسانوں کو زمین سے الگ

(خط "انگلس بنام مارکس"، مانچسٹر مورخہ ۶ جون ۱۸۵۳ء)

ہندستان پر اپنے پہلے مضمون میں میں نے ایک خفیہ جنگ کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ انگلستان کے ہاتھوں دیسی صنعت کی بربادی انقلابی چیز ہے۔ اس بات سے بعض لوگوں کو بڑا صدمہ پہونچے گا مگر اس سے قطع نظر کر لیجئے تو ہندستان میں برطانیہ کی ساری حکومت سور کی طرح نجس اور ناپاک تھی اور آج بھی ہے۔

ایشیاء کا یہ علاقہ بے حس و حرکت کھڑا رہا ہے، باوجود اس کے کہ سیاست کی بیرونی سطح پر ان گنت تحریکیں اٹھتی رہیں جن کا کبھی کوئی مقصد نہ تھا اس کی دو وجہیں ہیں اور دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں (۱) رفاہ عام کا کام مرکزی حکومت کے ذمہ تھا (۲) گنتی کے بڑے بڑے شہروں کو چھوڑ کر جن کی تنظیم بالکل جداگانہ اور جن کی چھوٹی سی دنیا الگ تھی، ساری سلطنت دیہاتوں میں بٹی ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

یہ دیہاتی جمہوریتیں جو ہمسایوں کے مقابلے میں بڑی سختی سے صرف اپنے گاؤں کی سرحدوں کی حفاظت کیا کرتی تھیں۔ آج بھی قریب قریب اپنی مکمل صورت میں ہندستان کے شمال مغربی علاقے میں موجود ہیں۔ ان علاقوں کو انگریزوں کے قبضے میں گئے ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے۔ میرے خیال میں ایشیاء کی خود مختار بادشاہت کے جمود کے لئے اس سے زیادہ ٹھوس بنیاد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور انگریزوں نے اس ملک کو آئرلینڈ بنانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو۔ مگر اس کو یورپ کے قالب میں ڈھالنے کی سب سے ضروری شرط یہ تھی کہ ان قدیم صورتوں کو جو گویا پتھر کی لکیر بن چکی تھیں، مٹا دیا جائے۔ یہ کام اکیلے ایک تحصیلدار کے کرنے کا نہیں۔ اس کے

بیاباں کی جو صحرائے اعظم سے عرب، ایران، ہندستان اور تاتار ہوتا ہوا ایشیا کے کوہستانی سطح مرتفع تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں زراعت کی سب سے پہلی شرطِ نہروں سے آب پاشی ہے۔ اور یہ یا تو ساری بستی کے کرنے کا کام ہے یا صوبائی، یا مرکزی حکومت کرسکتی ہے۔ مالیات (یعنی اندرون ملک کی لوٹ)، جنگ (اندرون ملک اور بیرونجات دونوں کی لوٹ) اور رفاہِ عام کے کام (یعنی سلسلہ پیداوار جاری رکھنے کا انتظام) ہندستان میں برطانوی حکومت نے نمبر ایک اور دو کو کسی قدر رسمی انداز میں پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر نمبر تین کو بالکل موقوف کردیا ہے اور اس لئے ہندستان کی کھیتیاں برباد ہورہی ہیں۔ آزاد مقابلہ نے یہاں آپ اپنی مٹی پلید کرلی ہے اور جب آب رسانی کا انتظام بگڑا تو نہروں سے زمین کی آب پاشی بھی بند ہوگئی۔ اور اس سے ایک عجیب وغریب حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ علاقے کے علاقے (پالمیرا، پترا، یمن کے کھنڈر، مصر، ایران اور ہندستان کے میدان) جہاں ایک دن ہرے بھرے کھیت لہلہایا کرتے تھے، آج بنجر اور غیر آباد پڑے ہیں۔ اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ کیسے صرف ایک تباہ کن جنگ بھی کسی ملک کو صدیوں کے لئے ویران کرسکتی اور اس کے تہذیب وتمدن کا نام ونشان تک مٹا سکتی تھی۔ اور میری رائے میں محمدؐ سے پہلے جنوبی عرب کی تجارت کے برباد ہونے کی وجہ بھی یہی تھی۔ تمھارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ انقلاب محمدیؐ کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔

برنیر کی تحریریں واقعی بڑی دلچسپ ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد ایک ایسے فرانسیسی کی لکھی ہوئی چیزیں پڑھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جو سمجھدار اور سلجھے ہوئے خیالات رکھتا تھا۔ وہ بہت سی باتیں بڑے پتے کی کہہ گیا ہے اور بظاہر اسے خود اس کا احساس تک نہیں۔ ... ..."

جگہ پر بنا ہوا ہے۔"

شہنشاہ نے جب کشمیر پر دھاوا کیا تو اس کی فوج میں چار لاکھ آدمی تھے۔ برنیر لکھتا ہے۔" یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اتنی بڑی فوج اور آدمیوں اور جانوروں کی اتنی بڑی تعداد جنگ کے میدان میں کہاں سے اور کیسے اپنی خوراک بہم پہنچاتی ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے یہ فرض کرنا پڑے گا اور یہی واقعہ بھی ہے کہ اہل ہند کھانے پینے میں بہت معتدل اور سادگی پسند ہیں اور سواروں کی اتنی بڑی تعداد کا دسواں حصہ بھی دوران سفر میں گوشت نہیں کھاتا۔ ان کو آسودہ رکھنے کے لئے کھچڑی کافی ہے جسے وہ چاول اور سبزی ملا کر پکاتے اور تیار ہونے پر صرف گھی ملا کر کھا لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اونٹ میں محنت مشقت کرنے اور بھوک پیاس برداشت کرنے کی بڑی قوت ہوتی ہے۔ وہ بہت تھوڑے پر گذارہ کرتا اور جو کچھ ملے کھا سکتا ہے۔ پھر وہی سوداگر جن سے دہلی کے بازاروں کی رونق ہے، پایۂ تخت سے باہر بھی بازار بساتے ہیں اور اسی طرح چھوٹے تاجر بھی ... ... اور جہاں تک چارہ کا سوال ہے یہ تمام غریب غربا ہر طرف گاؤں میں کھانے کمانے نکل جاتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا مشترکہ سہارا یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی کھرپیوں سے بیٹھے میدانوں میں گھاس چھیلیں، اسے صاف کریں اور لاکر فوج والوں کے ہاتھ فروخت کریں۔"

(خط "مارکس بنام اینگلس" لندن مورخہ ۲ جون ۱۸۵۳ء)

زمین پر ذاتی ملکیت نہ ہونے میں ہی سارے مشرق کا گر پوشیدہ ہے اسی میں اس کی سیاسی اور مذہبی تاریخ سربستہ ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ اہل مشرق زمینداری یا جاگیرداری نظام کے درجے کو نہیں پہونچے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ آب وہوا، اور اس کے ساتھ زمین کی خاصیتیں ہیں۔ خصوصاً اس وسیع

برنیر نے کھینچی ہے، شاید ہی کہیں اور ملے (وہ نو برس تک اورنگ زیب کا طبیب رہا تھا، اور اس نے اپنے سفر اور دربار مغلیہ کے چشم دید حالات پر ایک کتاب لکھی ہے) اس نے ان کا فوجی نظام بھی بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کثیر فوجوں کو راتب کیسے ملا کرتا تھا۔ ان دونوں مسئلوں پر وہ ایک بات یہ بھی کہتا ہے کہ "سواروں کا دستہ ہی فوج کا سب سے بڑا حصہ ہوا کرتا ہے۔ پیدل رسالے کی تعداد جتنی مشہور ہے اتنا اصل میں ہوتی نہیں۔ ہاں اگر تمام نوکر چاکر اور اہل بازار کو جو فوج کے ساتھ چلتے ہیں لڑنے والی سپاہ میں شمار کیا جائے تو اور بات ہے۔ کیونکہ اس صورت میں میرا خیال ہے کہ ان کا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ فوج کے جتنے آدمی صرف بادشاہ کے ساتھ چلتے ہیں ان کی تعداد دو یا تین لاکھ اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ خاص کر جب یہ معلوم ہو کہ بادشاہ دارالسلطنت سے کافی عرصہ کے لئے باہر جا رہا ہے تو بہت لوگ ساتھ ہو لیتے ہیں اور اس پر ان لوگوں کو کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ جو یہ جانتے ہیں کہ کتنے عجیب و غریب سامان، خیمے، لنگر خانے، کپڑے، فرنیچر، اور اکثر عورتیں، اور پھر ان کی وجہ سے ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، حمّال، سائیس بقال، طرح طرح کے سوداگر اور ملازم ان فوجوں کی جلو میں چلا کرتے تھے۔ یا جن کو ملک کی مخصوص حالت اور اس کی حکومت کا حال معلوم ہے۔ بادشاہ ہی وہاں سلطنت کے اندر تمام زمینوں کا تنہا مالک ہوتا ہے اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ دہلی یا آگرہ جیسے دارالسلطنت تقریباً بالکل ہی فوج کے سہارے جیتے ہیں اور اس لئے مجبور ہوتے ہیں کہ بادشاہ اگر کچھ دن کے لئے بھی میدانوں میں قیام کرے تو اس کے ساتھ ساتھ جائیں۔ کیونکہ ان شہروں کی حالت پیرس جیسی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ ان کی حیثیت اصل میں ایک فوجی پڑاؤ سے زیادہ نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پڑاؤ کھلے میدان کے مقابلے میں ذرا زیادہ اچھی اور مناسب

مشترکہ مفاد ایسے تھے جو فرد کے مفاد پر کئی اعتبار سے فوقیت رکھتے تھے، جیسے جھگڑے چکانا، جو فرد اپنے حقوق سے تجاوز کرے اس کی روک تھام کرنا گرم ملکوں میں خصوصیت کے ساتھ آب رسانی کی دیکھ بھال کرنا، اور قدیم عہد وحشت کے حالات زندگی میں مذہبی رسوم کی ادائگی۔ پنچائتی اہل کار جس طرح آج ہندستان میں پنچائتی خدمتیں بجا لاتے ہیں اسی طرح وہ ہر زمانے میں اور جرمنی کی سب سے قدیم مارک بستیوں میں بھی کرتے رہے ہیں۔ یہ اسی زمانے کی چیزیں ہیں جب نہایت ابتدائی صورت میں حکومت اور ریاستی اقتدار کا گویا آغاز سا ہونے لگا تھا۔"

(ملاحظہ ہو۔ "قاطع ڈوہرنگ" از انگیلس)

ازمنہ وسطیٰ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کھیتی کا بہی کھاتہ صرف عیسائی خانقاہوں میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن پہلی جلد میں ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ قدیم ہندستانی بستیوں میں بہت پہلے زمانہ سے ہی کھیتی کے لئے کھاتہ دار مقرر کئے جاتے تھے۔ بہی کھاتہ رکھنا ایک پنچائتی اہل کار کا مستقل کام بنا دیا گیا تھا۔ محنت کی اس تقسیم سے وقت مشقت اور خرچ سب میں کفایت ہوتی ہے۔ لیکن پیدا دار اور پیدا دار کے لئے بہی کھاتہ رکھنے میں وہی فرق ہے جو جہاز کے مسافروں اور مسافروں کی فہرست میں ہے۔ کھاتے دار کی ذات میں نسبتی کی استعداد محنت کا ایک حصہ پیداوار سے الگ کر لیا گیا ہے اور اپنی خدمت کی لاگت نہ خود اپنی محنت سے نہیں پیدا کرتا بلکہ پنچائتی پیداوار سے منہا کر کے لے لیتا ہے، ہندستانی بستیوں کے کھاتے دار کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہی بات بدلی ہوئی حالتوں میں سرمایہ داروں کے کھاتے دار پر بھی پوری اترتی ہے۔

("سرمایہ" دوسری جلد۔ از کارل مارکس)

مشرقی شہروں کی بناوٹ کی جیسی صاف مکمل اور دل کش تصویر فرانکو

جب آدمی پہلے پہل ادنیٰ درجے کے حیوانوں کی صف سے باہر نکلے اور انھوں نے تاریخی ارتقاء کی سیڑھی پر قدم رکھا تو اس وقت وہ جانوروں کی طرح نیم وحشی اور انسانیت کی نہایت ابتدائی حالت میں تھے۔ فطرت کی قوتوں پر ان کا بس نہ چلتا تھا اور اپنی قوتوں سے وہ بالکل ناواقف اور جانوروں کی طرح تہی دست تھے۔ اپنی محنت سے کچھ پیدا کرنے میں بھی شاید ہی ان سے بڑھے ہوئے ہوں، زندگی کی حالتوں میں ایک طرح کی برابری سی تھی اور جہاں تک خاندان کے سرداروں کا تعلق ہے، ان سب کی سماجی حالت یکساں تھی۔ کم از کم وہ طبقاتی فرق موجود نہیں تھا جو آگے چل کر زراعتی آبادیوں میں پیدا ہوا۔ ایسی سماجی حالت میں کئی

(بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ) دیکھی جاتی ہیں کہ لوگ بہت بڑی تعداد میں ساتھ مل کر کام کرتے ہوں۔ دیہاتی بستیوں کے اندر یا مشترکہ زمین پر کھیتی کرنے والوں میں یہ تعاون ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر یہ نسبتاً بہت کم لوگوں تک محدود تھا۔ اور اگر بڑی عمارتیں بنانے یا اور کسی کام کے لئے بہت بڑی تعداد میں لوگوں سے ایک ساتھ کام لینے کی ضرورت پڑی تو بادشاہ یا جاگیردار نے اپنے تابعداروں اور غلاموں کو اکٹھا کیا۔ لیکن سرمایہ داری میں ایسا نہیں یہاں ہزاروں آدمی اپنی مرضی سے تعاون یعنی ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں میں مزدوری کرتے ہیں اور اس لئے نہیں کہ وہ کسی کے غلام یا تابعدار ہوں، جس نے یہاں آنے پر مجبور کیا ہو۔ بلکہ اس اعتبار سے وہ بالکل آزاد ہیں۔ انھیں اگر کوئی مجبور کرتا ہے تو وہ سرمایہ دار کا سرمایہ یعنی اس کے روپے کی طاقت ہے۔ چنانچہ سرمایہ داری میں ان مزدوروں کے تعاون کی بنیاد یہ ہے کہ وہ خود ذرائع پیداوار سے محروم کر دئے گئے ہیں اور تمام ذرائع پیداوار سرمایہ داروں کے ہاتھ میں جمع ہو گئے۔

بہت سی روئی ہر سال ضائع ہو جاتی ہے۔

("معاشیات کی تنقیدی تحقیق" از کارل مارکس پہلا باب)

لوگوں میں آج کل ایک غلط خیال پھیلنے لگا ہے کہ مشترکہ ملکیت اپنی قدیم صورت میں سلاف قوموں یا محض روسیوں کا خاصہ ہے۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ رومیوں، ٹیوٹنوں اور کلٹی اقوام میں اسی قدیم صورت کا رواج تھا اور اس کی متعدد مثالیں آج بھی ہندوستان میں قدرے بدلی ہوئی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ اجتماعی ملکیت کی ایشیائی اور خصوصًا ہندستانی صورتوں کا زیادہ گہرا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ قدیم کمیونزم کی مختلف صورتوں سے ان کے انتشار کی مختلف صورتیں کیونکر پیدا ہوئی تھیں۔ مثلًا رومی اور ٹیوٹنی اقوام میں ذاتی ملکیت کی جو ابتدائی قسمیں رائج تھیں ان کا سراغ ہندستانی کمیونزم کی متعدد صورتوں میں پایا جا سکتا ہے۔"

(علم معاشیات کی تنقیدی تحقیق" از کارل مارکس)

انسان کی نشو و نما کے ابتدائی زمانے میں شکار پر گذر بسر کرنے والے لوگوں میں یا مثلًا ہندستانی بستیوں میں کھیتی باڑی کے اندر جو تعاون پایا جاتا ہے اس کی بنیاد ایک طرف تو ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت پر ہے اور دوسری طرف اس حقیقت پر کہ جس طرح شہد کی مکھی اپنے چھتے سے قطع تعلق نہیں کر سکتی اسی طرح ان صورتوں میں بھی آدمی اپنے قبیلہ یا بستی سے اپنا پیدائشی تعلق نہیں توڑ سکتا۔ اس طرح کے تعاون اور سرمایہ دارانہ تعاون میں یہی دونوں فرق پائے جاتے ہیں اور اگر قدیم زمانے میں، زمانہ وسطیٰ میں اور آج کل کی نوآبادیوں میں کبھی کبھار بڑے پیمانے پر تعاون سے کام لیا گیا ہے۔ تو اس کا دار و مدار مالک اور تابعدار کے تعلقات پر اور خاص کر غلامی[1] پر ہے۔ (علم معاشیات کی تنقیدی تحقیق)

---

[1] سرمایہ داری عہد سے پہلے اور پچھڑے ہوئے ملکوں میں آج بھی ایسی صورتیں کم

اس کے برخلاف ایشیائی ریاستوں کے برابر بنتے اور بگڑتے رہنے اور خاندان شاہی میں برابر ردوبدل ہوتے رہنے سے یہ (عدم تغیر) اور زیادہ نمایاں ہوگیا ہے۔ ریاست کی فضائے آسمانی میں ابر و باد کے جو طوفان اٹھا کرتے ہیں ان کا اثر سماج کے معاشی ڈھانچہ تک نہیں پہونچتا۔"

(ملاحظہ ہو۔ "سرمایہ" از مارکس۔ جلد ۱)

اکثر صنعتوں میں ایسے فیصلہ کن دَور آیا کرتے ہیں جن کے اندر اندر بعض خاص نتیجے پورے کرلینے چاہئیں۔ اس کا انحصار ہر کام کی اپنی نوعیت پر ہے مثلاً اگر بھیڑ کے بال تراشنے ہوں، یا کھیت میں گیہوں کی فصل کاٹنی ہو تو پیداوار کی مقدار اور اس کی اچھائی اور برائی کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ کام ایک خاص مدت میں شروع اور پورا کرلیا جائے۔ ایسی صورتوں میں کام میں جتنا وقت لگنا چاہئے وہ مقرر ہوتا ہے۔ جیسے ہیرنگ مچھلی پکڑنے میں۔ اکیلا ایک آدمی قدرت کے بنائے ہوئے دن میں سے محنت کے لئے بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں نکال سکتا۔ مگر سو آدمی مل کر چاہیں تو کام کے اوقات کو بارہ سو گھنٹوں تک بڑھا سکتے ہیں۔ کام کے لئے وقت کی تنگی کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وقت آنے پر بہت سے محنت کرنے والے میدان میں اتر آئیں۔ وقت کے رہتے رہتے کام اسی طرح انجام دیا جاسکتا ہے کہ بہت سے اوقات محنت کو بہ یک وقت ایک ساتھ ملا دیا جائے۔ حسب خواہ نتیجہ کس مقدار میں حاصل ہوگا، یہ مزدوروں کی تعداد پر منحصر ہے۔ مگر یہ تعداد ان علیحدہ علیحدہ بکھرے ہوئے محنت کشوں کی تعداد سے کہیں کم ہوتی ہے جنھیں خود بھی اتنی ہی مدت میں اسی قدر کام کرنا پڑتا ہے۔ کام میں اس تعاون کے نہ ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ ریاست متحدہ (امریکہ) کے مغربی حصوں میں بہت سا غلہ اور ہندستان کے بعض علاقوں میں جہاں انگریزوں کی حکومت نے پرانی بستیوں کو تہس نہس کردیا ہے،

جوئی اور نووارد مسافروں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اور ان کو دوسرے گاؤں میں پہونچاتا ہے۔ دوسری بستیوں کے مقابلے میں اپنی سرحد کی دیکھ بھال کے واسطے بھی ایک عہدہ دار تعینات ہے، پانی کے مشترک ذخیرے سے پانی تقسیم کرنا داروغہ آب پاشی کا کام ہے۔ برہمن پوجا پارٹ کراتا ہے، گروجی زمین پر بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتے ہیں۔ نجومی یا جوتشی بونے اور فصل کاٹنے اور کھیتی کے اور کاموں کے لئے مبارک اور نامبارک دنوں کا پتہ لگاتا ہے۔ لوہار اور بڑھئی کھیتی کے تمام اوزاروں کی مرمت کیا کرتے ہیں۔ کمہار گاؤں والوں کے لئے برتن بناتا ہے۔ ایک حجام بھی ہے۔ دھوبی کپڑے دھویا کرتا ہے۔ اس کے سوا سنار اور کہیں کہیں شاعر بھی ہوا کرتے ہیں جو کسی بستی میں سنار اور کسی میں گروجی کی قائم مقامی کرتے ہیں۔ ان ایک درجن آدمیوں کا خرچ ساری بستی کے اوپر ہے۔ آبادی بڑھ جاتے تو پرانی بستی کے نمونے پر کسی غیر آباد خطہ میں ایک نئی بستی آباد ہو جاتی ہے۔ اس پورے ڈھانچہ کے کل پرزوں میں کام کی باقاعدہ تقسیم پائی جاتی ہے۔ لیکن اس طرح کی تقسیم صنعت کے اندر ناممکن ہے۔ کیونکہ لوہار اور بڑھئی وغیرہ کے لئے منڈی میں کبھی کوئی رد و بدل نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو بس یہی کہ ہر ایک کے حصہ میں آبادی یا وسعت کے لحاظ سے کبھی کبھی ایک کے بدلے دو یا تین گاؤں دے دئے جاتے ہیں۔ بستی کے اندر تقسیم محنت میں جو قانون کار فرما ہوتا ہے وہ قانون فطرت کی سی سختی کے ساتھ اپنا کام کرتا ہے۔ حالانکہ بظاہر فرداً فرداً ہر کاریگر، لوہار، بڑھئی وغیرہ اپنی دکان میں اپنی حرفت کے تمام کام پرانے طریقے سے خود پورا کرتا ہے اور اپنے آپ پر کسی اور کا اختیار ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہوتا۔

یہ خود کفالتی بستی برابر نسلاً بعد نسلٍ بالکل اسی صورت میں قائم رہتی ہے اور اگر اتفاق سے برباد ہو جائے تو پھر اسی جگہ اسی نام سے دوبارہ نمودار ہو جاتی ہے۔ اس کے نظام پیداوار کی اس سادگی میں ایشیائی سماجوں کے عدم تغیر کا راز پوشیدہ ہے۔

تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد قابل زراعت زمین کے حصے بنجر سے کر دیئے جاتے اور اس لیئے وہاں انفرادی کاشت کا رواج تھا۔

(ملاحظہ ہو "خاندان" ذاتی ملکیت اور ریاست کی ابتدا۔ از اینگلس)

ہندستان کی وہ مختصر اور نہایت قدیم بستیاں جن میں بعض اب تک چلی آتی ہیں، زمین کی مشترکہ ملکیت، زراعت اور دستکاری کے اتحاد اور تقسیم محنت کے ایک ایسے اصول پر مبنی ہیں جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، اور جب کبھی کسی نئی بستی کی داغ بیل پڑتی ہے تو وہ ایک بنے بنائے خاکے اور اسکیم کا کام دیتا ہے۔ ایک بستی سَو سے لے کر کئی کئی ہزار ایکڑ خطۂ زمین پر آباد ہوتی ہے۔ ہر بستی ایک مکمل اور مضبوط بندھا ہوا ڈھانچہ ہے، جو اپنی ضرورت کی تمام چیزیں خود پیدا کرتی ہے۔ پیداوار کا زیادہ تر حصہ براہ راست خود بستی والوں کے مصرف میں آتا ہے اور جنس تبادلہ کی شکل اختیار کرنے نہیں پاتی۔ اس لئے پیداوار یہاں تقسیم کار کے اس اصول پر کاربند نہیں جو جنسوں کے تبادلے کے ذریعہ سے بحیثیت مجموعی ہندستانی سماج میں رواج پا چکا ہے صرف فاضل پیداوار جنس تبادلہ بنتی ہے اور اس کا بھی اسی قدر حصہ جو ریاست کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں پیداوار کا ایک حصہ عرصہ دراز سے لگان بصورت جنس کے طور پر آیا کرتا ہے۔ ان بستیوں کی بناوٹ ہندستان کے مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ سب سے سادہ صورت وہ ہے جس میں کھیتی مل جل کر ہوتی ہے۔ اور پیداوار آپس میں تقسیم کر لی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہر کنبے میں ضمنی صنعت کے طور پر سوت کاتنے اور کپڑا بننے کا کام بھی ہوتا ہے۔ عام لوگ تو سدا اسی ایک دھندے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک مکھیا ہے جو منصف، کوتوال اور تحصیلدار سبھی کچھ ہے۔ ایک کھاتے دار ہے جو کھیتوں کا حساب وکتاب رکھتا ہے اور اس سے علاقہ رکھنے والی باتیں بیاض میں درج کرتا جاتا ہے۔ ایک اور افسر مجرموں کے خلاف قانونی چارہ

ہندوستان میں پنچایتی معیشت کی بنیاد نشوونما اور اس کا زوال

ہندوستان میں کنبہ کے نمونے پر بنے ہوئے سماج اور اس کی ساجھے کی کھیتی کا ذکر مارکس نے سکندرِ اعظم کے زمانہ میں ہی کیا تھا۔ اور آج بھی وہ ملک کے اس علاقہ میں یعنی پنجاب اور پورے شمال مغرب میں موجود ہے۔ قفقاز میں کوالفسکی نے خود اس کا پتہ لگایا تھا۔ الجیریا میں کابیلیوں میں ابھی تک اس کا رواج پایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ امریکہ میں بھی کسی زمانے میں اس کا رواج تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ قدیم میکسیکو کی "کلپولی" بھی یہی چیز ہے۔ جس کی تفصیل زوریتا نے بیان کی تھی، اور پیرو میں تو کونوف نے کافی وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ حملہ کے وقت ایک قسم کا دستور جاری تھا جس کی بنیاد مارک[1] پر تھی (جیسے، حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ لوگ مارکہ کہا کرتے تھے) اور جس میں

---

[1] پرانے زمانے میں جرمنی میں زمین کے جس قطعہ پر پنچایت کی ملکیت ہوتی تھی اسے مارک کہتے تھے۔ یہاں اینگلس نے جرمن زبان کے مارک اور پیرو زبان کے "مارکہ" کی لفظی مماثلت پر بھی زور دیا ہے۔ لہذا ترجمہ میں دونوں الفاظ جوں کے توں رہنے دئے گئے ہیں۔

مترجم

دوسرا حصّہ

ہندستان کے بارے میں مارکس اور اینگلس کی

تحریروں سے اقتباسات

یہ ممکن ہوگا کہ انسانی ترقی ہندوؤں کے ان بتوں کی مانند نہ رہے جو اپنی شراب اس وقت تک نہیں پیتے جب تک اسے مقتول انسانوں کے کاسۂ سر میں رکھ کر نہ پیش کیا جائے۔

ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ انگریزی صنعت کے تباہ کن اثرات بہت نمایاں اور حیران کن ہیں۔ لیکن ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ اس وقت سارا نظام پیداوار جس ڈھانچے میں ڈھلا ہوا ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہونا تھا۔ وہ نظام پیداوار سرمائے کی فرماں روائی پر قائم ہے۔ سرمائے کے اقتدار کو آزادی کے ساتھ قائم رکھنے کے لئے سرمائے کا ارتکاز[1] بہت ضروری ہے۔ دنیا کی منڈیوں پر اس ارتکاز کا بہت برباد کن اثر پڑا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑے پیمانے پر معاشیات کے اندرونی قوانین کو ظاہر کرتا ہے جو اس وقت دنیا کے ہر مہذب شہر میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ تاریخ کے سرمایہ دارانہ دور کو نئی دنیا کی مادی بنیاد فراہم کرنا ہے۔ ایک طرف عالمگیر پیمانے پر میل جول قائم کرنا ہے۔ کیونکہ انسانیت کا دار و مدار ایک دوسرے پر ہے، اور اس میل جول کے وسیلے تیار کرنے ہیں۔ دوسری طرف انسان کی پیداآور قوتوں کو ترقی دینا ہے اور مادی پیداوار کو بدل کر قدرتی وسیلوں پر انسان کے سائنٹفک تسلط کی شکل دینی ہے، جس طرح طبقات الارض کے انقلابات نے زمین کی سطح تیار کی اسی طرح سرمایہ دارانہ صنعت اور تجارت نئی دنیا کی مادی بنیاد پیدا کرے گی۔ عہد سرمایہ داری کے نتیجوں پر یعنی عالمگیر منڈی اور پیداوار کی جدید قوتوں پر جب ایک زبردست سماجی انقلاب حاوی ہو جائے گا اور انھیں مشترکہ طور پر دنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوموں کے حوالے کر دے گا۔ تب ہی

---

[1] معاشیات کی اصطلاح میں سرمائے کا ارتکاز اس عمل کو کہتے ہیں جس میں مختلف کاروباروں کے ایک میں مل جانے سے سرمایہ ایک مرکز پر جمع ہو جاتا ہے۔ یہ ارتکاز پر امن اور تشدد پسند دونوں صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ مختلف کمپنیاں آپس میں سمجھوتہ کر کے مل جائیں یا ایک کمپنی مقابلے میں دوسری کمپنیوں کو شکست دے کر کم دام پر خرید لے یا قرض کی عدم ادائیگی میں انھیں ضبط کر لے۔

جس کے شریف باشندے، پرنس سالتی کوف کے الفاظ میں، سب سے ادنی طبقوں میں بھی "اہل اطالیہ سے زیادہ سنجیدہ اور ذہین ہیں" جن کی فروتنی سے ان کی بے زبان شرافت کا پلہ بھاری ہے، جنھوں نے اپنی فطری کاہلی کے باوجود انگریز افسروں کو اپنی شجاعت سے حیران کر دیا ہے جن کا ملک ہماری زبانوں اور ہمارے مذہبوں کا سرچشمہ رہا ہے اور جن کے جاٹ قدیم جرمنوں کی اور برہمن قدیم یونانیوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں

سرمایہ دار تہذیب کی انتہائی ریاکاری اور فطری بربریت ہماری نظروں میں بے نقاب ہو چکی ہے۔ گھر پر اس کی وضع قطع شریفوں کی سی ہے مگر گھر سے نکل کر نو آبادیوں میں وہ ننگی ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ ملکیت کے محافظ ہیں، لیکن آج تک کسی انقلابی پارٹی نے بھی ایسے زرعی انقلابوں کی ابتدا نہیں کی جیسے بنگال، مدراس اور بمبئی میں ہوئے ہیں۔ جب معمولی رشوت سے ان لیڈروں کی ہوس پوری نہیں ہوتی تو اس غیر معمولی لیڈر سے لارڈ کلائیو کے الفاظ میں انھوں نے نہایت بے دردی سے ہر چیز پر ہاتھ ڈالا۔ جب وہ یورپ میں قومی قرضہ کی حرمت کے بارے میں بک بک کر رہے تھے۔ اس وقت انھوں نے ہندستان میں راجاؤں کے منافع ضبط کر لئے جنھوں نے خود کمپنی کے سرمایہ میں اپنا ذاتی روپیہ لگایا تھا۔ جب وہ اپنے مقدس مذہب کی حفاظت کے بہانے انقلاب فرانس کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ اس وقت انھوں نے ہندستان میں عیسائیت کی تبلیغ بند کر دی اور اڑیسہ اور بنگال کے مندروں میں تیرتھ جاتریوں سے روپیہ بنانے کے لئے قتل اور عصمت فروشی کا بازار گرم کیا جس کا ارتکاب جگن ناتھ کے مندر میں ہوا کرتا تھا۔ یہی لوگ "ملکیت، امن، خاندان اور مذہب" کے محافظ بنتے ہیں!

ہندستان جیسے ملک میں جو وسعت میں یورپ کے برابر ہے اور پندرہ کرور

ان ہندستانیوں نے جوہر زدار کوئلہ کی کانوں میں دخانی انجنوں پر کام کرتے تھے۔ بڑی لیاقت اور مہارت دکھائی ہے۔ خود مسٹر کیمپبل جن کا دماغ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعصبات سے بھرا ہوا ہے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:۔

"اہل ہند کی ایک کثیر تعداد میں بڑی صنعتی استعداد ہے۔ سرمایہ جمع کرنے کی صلاحیت ہے اور ذہن حساب کے لئے بہت موزوں ہے۔ ان میں اعداد و شمار اور علوم قطعیہ کی بڑی لیاقت موجود ہے۔" اور "ان کی ذہانت قابل تعریف ہے۔ ریلوں کا جال بچھانے سے جو نئی صنعت پیدا ہو گی وہ محنت کی اس موروثی تقسیم کو مٹا دے گی جس پر ہندستانیوں کی ذات پات قائم ہے۔ اور جو ہندستان کی ترقی اور ہندستان کے اقتدار میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

انگریز سرمایہ داروں کو مجبور ہو کر جو کچھ کرنا پڑے گا اس سے عام لوگوں کو نہ تو آزادی ملے گی اور نہ ان کی سماجی حالت میں مادی اعتبار سے کوئی قابل ذکر اصلاح ہو گی کیونکہ اس کا انحصار صرف پیداآور قوتوں کی ترقی پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ عوام ان کو اپنے تصرف میں لے آئیں۔ لیکن اس سے یہ ضرور ہو گا کہ دونوں کی مادی بنیاد پیدا ہو جائے گی۔ سرمایہ داروں نے اس سے زیادہ کبھی کچھ کیا ہے؟ افراد کو اور قوموں کو خاک و خون میں غلطاں اور مصیبت و پستی میں مبتلا کئے بغیر انھوں نے کبھی ترقی کا کوئی قدم اٹھایا ہے؟

برطانوی سرمایہ داروں نے ہندستانیوں میں نئے سماج کے جو بیج چھڑک دیئے ہیں ان کا ثمرہ اہل ہند کو نہیں ملے گا تاوقتیکہ خود برطانیہ میں صنعتی مزدور طبقہ موجودہ حکمراں جماعت کو بے دخل نہ کر دے یا خود ہندستانیوں میں اتنی طاقت نہ پیدا ہو جائے کہ وہ انگریزوں کا جوا گردن سے اتار پھینکیں۔ بہر حال ہمیں یقین ہے کہ کم و بیش ایک طویل مدت کے بعد وہ پُر عظمت اور دلچسپ ملک ایک بار پھر زندگی کی سانس لے گا۔

خلوت پسندی ہمیشہ قائم رہی۔ اس ماحول میں گاؤں والے زندگی بسر کرتے رہے۔ آرام و آسائش کا معیار بہت ادنیٰ تھا اور دوسرے گاؤں سے تعلق گویا نہ ہونے کے برابر۔ سماجی ارتقاء کے لئے جو شوق اور کوشش بے حد ضروری ہے۔ اس کا بالکل فقدان تھا۔ انگریزوں نے گاؤں کے اس جمود کو جو اپنے دائرہ میں مطمئن تھا برباد کر دیا نقل و حمل اور میل جول کی ضرورت اب ریل پورا کرے گی۔ اس کے علاوہ گاؤں میں ریلوے کا ایک اثر یہ ہوگا کہ دوسرے ملکوں کی ایجادوں اور اختراعوں اور ان کو کام میں لانے کے طریقوں سے واقفیت پیدا ہوگی۔ اس وجہ سے ہندستان کے موروثی اور وظیفہ خوار دیہاتی کاریگروں کا ہنر اول اول تو بڑی سخت آزمائش میں مبتلا ہو جائے گا اور پھر اپنے نقائص کو دور کرے گا۔ (ہندستان کی روئی اور اس کی تجارت۔ از جیب مین)

میں جانتا ہوں کہ ہندستان میں ریلوے کا جال بچھانے میں انگریزی مالکوں کی غرض صرف اتنی ہے کہ اپنی مصنوعات کے لئے کم خرچ پر روئی اور دوسری خام اشیاء حاصل کریں۔ لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں لوہا اور کوئلہ موجود ہے، وسائل نقل و حمل میں تم مشین کو رواج دوگے تو اس ملک کے تانے بانے سے اس کو الگ رکھنا تمہارے اختیار میں نہیں ہوگا۔ تم ایک وسیع ملک میں ریلوں کا جال بچھا کر اسے قائم نہیں رکھ سکوگے، تا وقتیکہ ان تمام صنعتی طریقوں کو رواج نہ دو جو ریل کی نقل و حرکت کی فوری اور روز مرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے لازمی ہیں اور جن سے مشینوں کا استعمال ان شعبوں میں بھی پھیلتا جائے گا جن کا ریلوے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ہندستان میں ریل صحیح معنی میں جدید صنعت کا پیش خیمہ ہے۔ یہ چیز اب اور بھی یقینی ہوگئی ہے کیونکہ انگریز حکام نے ہندوؤں کو اجازت دیدی ہے کہ نئے نئے کاموں کی لیاقت اور مشین سے ضروری واقفیت حاصل کریں۔ اس کا کافی ثبوت اس سے ملتا ہے کہ کلکتہ کے ٹکسال میں دیسی انجینیروں نے جو کئی سال سے دخانی مشین پر کام کرتے ہیں اور

سے پانی لے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اس طرح آب پاشی کا جو مشرق میں کاشت کاری کی ایک لازمی شرط ہے، حلقہ بہت بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ریلوں کی عام اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گھاٹ کے قریب کے ضلعوں میں بھی جن زمینوں پر آب پاشی ہوتی ہے ان سے، بے آب زمین کے اتنے ہی رقبہ کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ لگان حاصل ہوتی ہے۔ دس گنا یا بارہ گنا زیادہ آدمیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور بارہ گنا یا پندرہ گنا زیادہ منافع ملتا ہے۔

ریلوں کی وجہ سے فوجی چھاؤنیوں کی تعداد اور ان کے اخراجات میں کمی کرنے کا موقع ملے گا۔ فورٹ ڈیم کے ایک ٹاؤن مینجر، کرنل وارن نے دارالعوام کی ایک منتخب کمیٹی کے سامنے بیان کیا تھا:

"اگر یہ ممکن ہو سکے کہ ملک کے دور دراز حصوں سے خبر ملنے میں اتنے گھنٹے صرف ہوا کریں جتنے آج کل دن اور ہفتے صرف ہوتے ہیں اور بہت مختصر عرصے میں ہدایات، فوج اور رسد بھیجی جائے تو اس سے زیادہ بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے! فوجوں کو کچھ فاصلے پر اور آج کی نسبت زیادہ صحت بخش جگہوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ بیماری سے جانیں تلف نہیں ہونے پائیں گی۔ ہر ہر رجمنٹ کے صدر مقام میں اس ذخیرے کی ضرورت نہیں ہوگی اور جتنا غلہ آج سڑ گل کر یا موسم کی تبدیلیوں سے خراب ہو جاتا ہے وہ بچ جائے گا۔ فوج کی تعداد میں کمی کی جا سکے گی۔ مگر اس کی طاقت اسی اعتبار سے بڑھ جائے گی۔"

ہم جانتے ہیں کہ دیہاتی برادریوں کی خود انتظامی اور ان کی معاشی بنیاد توڑ ڈالی گئی ہے۔ لیکن ان کی بدترین نشانیاں ابھی تک باقی ہیں۔ سماج چھوٹے چھوٹے اجزا میں بٹا ہوا ہے جس میں باہم کوئی ربط نہیں اور جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ گاؤں کی خلوت پسندی کی بدولت ہندستان میں سڑکیں نہیں ہیں اور سڑک نہ ہونے سے گاؤں کی

مشہور تھے مغربی دنیا میں بیچ مچ الحاق کر لیا جائے گا۔

برطانیہ کی حکمراں جماعتوں نے ہندستان کی ترقی میں اب تک شاذ و نادر اتفاقیہ طور پر اور وہ بھی بہت عارضی دلچسپی لی ہے۔ طبقۂ امرا اس کو فتح کرنا، ساہوکار اس کو لوٹنا اور کارخانہ دار کم قیمت پر مال بیچ کر اس کی منڈی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے مگر اب پانسہ پلٹ چکا ہے کارخانہ داروں پر یہ راز کھل گیا ہے کہ ہندستان میں پیدا وار کا سلسلہ قائم کرنا ان کے لئے بہت ضروری ہے اور اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں آب پاشی اور نقل و عمل کا انتظام کیا جائے۔ اب وہ ہندستان میں ریلوں کا جال بچھانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کام ضرور کریں گے اس کے نتیجے بہت دور رس ہوں گے جن کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ہندستان کی پیدا آور قوتیں معطل پڑی ہیں کیونکہ اس کی انواع اقسام کی پیداوار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے اور تبادلہ کرنے کے ذرائع مفقود ہیں۔ قدرت نے جس کو مالامال کیا ہے وہ ذرائع تبادلہ کی قلت کی وجہ سے تنگ حال ہے۔ ہندستان کے سوا کسی اور ملک پر یہ بات اتنی صادق نہیں آتی۔ برطانیہ میں دارالعوام کی ایک کمیٹی کے سامنے ۱۸۴۸ء میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ "جب خاندیش میں غلہ ۶ یا ۷ شلنگ فی کوارٹر[۱] کی نرخ سے فروخت ہو رہا تھا اس وقت پونا میں نرخ ۶۴ یا ۷۰ شلنگ فی کوارٹر تھا۔ اور بے شمار آدمی مر رہے تھے۔ اور چونکہ کچی سڑک آمد و رفت کے قابل نہیں تھی اس لئے خاندیش سے پونا میں رسد پہونچانا بھی ممکن نہ تھا۔

ریل کی سڑکوں سے زراعتی کاموں میں بھی بہ آسانی مدد مل سکتی ہے۔ جہاں پشتہ باندھنے کے لئے زمین درکار ہو وہاں تالاب بنائے جا سکتے ہیں۔ اور لائنوں کے راستے

---

[۱] غلہ کا ایک پیمانہ بقدر آٹھ بُشل یعنی تقریباً چھ من سولہ سیر

اور دیسی سماج میں جن چیزوں کو عظمت اور بلندی حاصل تھی ان کی عظمت اور بلندی چھین لی۔ ہندستان میں ان کی حکومت کی تاریخ کے صفحات میں محرومی کی داستان کے سوا شاید ہی کچھ اور ملے۔ تعمیر کا کام بربادیوں کے ڈھیر میں مشکل سے انجام پاتا ہے لیکن اس کی ابتدا ہو چکی ہے۔

تعمیر کی پہلی شرط یہ تھی کہ ہندستان کا سیاسی اتحاد سلاطین مغلیہ کے زمانے سے کہیں زیادہ پائدار اور وسیع ہو۔ انگریزوں کی تلوار نے یہ اتحاد قائم کر دیا ہے۔ تاربرقی اس اتحاد کو تقویت اور دوام بخشے گی۔ دیسی فوج جس کی تنظیم و تربیت انگریزوں نے کی ہے اس بات کی ایک ناگزیر شرط ہے کہ ہندستان آپ اپنی آزادی حاصل کر سکے۔ اور ہر غیر ملکی حملہ آور کا شکار نہ بنے۔ آزاد اخبارات ایشیائی سماج میں پہلی بار نمودار ہو رہے ہیں اور ان کا اہتمام خاص طور پر ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ہندستانیوں اور یورپ والوں کے میل ملاپ کی پیداوار ہیں۔ یہ بھی تعمیر کا ایک نیا اور طاقتور آلہ ہے۔ زمین داری اور رعیت داری نظام بھی باوجود اس کے کہ انتہائی نفرت کے قابل ہیں، زمین میں دو قسم کی ذاتی ملکیت کا نمونہ ہیں، جن کی ایشیائی سماج میں بڑی ضرورت تھی۔ ہندستان کے دیسی باشندوں میں سے جو نہایت بادل ناخواستہ اور شاذ و نادر انگریزوں کی نگرانی میں کلکتہ میں تعلیم پا لیتے ہیں ایک نیا طبقہ پیدا ہو رہا ہے۔ جس میں حکومت کی صلاحیتیں ہوتی ہیں اور جو یورپی سائنس کے خیالات میں ڈوبا ہوا ہے۔ دخانی جہاز نے ہندستان اور انگلستان میں آمد و رفت کا تیز اور مستقل سلسلہ قائم کر دیا ہے اور یورپ کی بندرگاہوں کو جنوب مشرقی سمندر سے ملا دیا ہے۔ اب یہ سمندر پہلے کی طرح الگ تھلگ نہیں رہا جو اس کی بے حرکتی کا اصلی سبب تھا۔ وہ دن دور نہیں جب ریلوں اور دخانی جہاز کی بدولت ہندستان اور انگلستان کا فاصلہ وقت کے پیمانے میں کم ہوتے ہوئے صرف آٹھ دن رہ جائے گا۔ اور اس ملک کا جس کے بارے میں کبھی، کیا کیا من گھڑت قصے

یہ کہ اس وقت بھی ہندستان کو انگریزوں کی غلامی میں رکھنے کا سہرا ہندستانی فوج کے سر ہے جس کا خرچ ہندستان والے اٹھاتے ہیں۔ پھر ہندستان ملک گیروں کی ہوس کا شکار کیسے نہ بنتا؟ ہندستان کی ساری پچھلی تاریخ اگر کچھ ہے تو ان فتوحات کی تاریخ ہے جو غیروں کو پے در پے اس ملک میں حاصل ہوتی رہی ہیں۔ ہندستانی سماج کی کوئی تاریخ نہیں[1] ہے۔ کم از کم جتنی مدت کا حال معلوم ہے اس میں نہیں ہے۔ جس چیز کو اس کی تاریخ کہا جاتا ہے وہ ان حملہ آوروں کی تاریخ ہے جو یکے بعد دیگرے یہاں آتے رہتے ہیں اور جنھوں نے اس بے مزاحمت اور نہ بدلنے والے سماج کی بے حس بنیادوں پر اپنی سلطنتیں قائم کیں۔ اس لئے سوال یہ نہیں کہ انگریزوں کو ہندستان فتح کرنے کا کوئی حق تھا یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہندستان کے حق میں کیا بہتر تھا۔ ترکوں، ایرانیوں، روسیوں کے زیرنگیں ہونا یا انگریزوں کے؟

ہندستان میں انگریزوں کو دُہری خدمت انجام دینی ہے۔ ایک تخریبی اور دوسری تعمیری۔ قدیم ایشیائی سماج کو برباد کرنا ہے اور ایشیا میں مغربی سماج کی مادی بنیادیں فراہم کرنی ہیں۔

عرب، ترک، تتار اور مغل جنھوں نے یکے بعد دیگرے ہندستان میں قدم رکھا ہندؤں کا رنگ اختیار کرتے گئے۔ ہمیشہ سے تاریخ کا یہ دستور رہا ہے کہ غیر مہذب فاتحوں کو مفتوح کی تہذیب فتح کر لیتی ہے۔ فاتحوں میں انگریز پہلے تھے جو ہندو تہذیب سے برتر اور اس لئے اس کی دسترس سے باہر تھے۔ انھوں نے اس تہذیب کو برباد کر دیا اس ملک کی دیہاتی برادریاں توڑ ڈالیں اس ملک کی صنعت و حرفت کی جڑ کاٹ دی

---

[1] سماج کی تاریخ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سماج تو سدا ایک حالت پر برقرار رہا۔ اس میں نہ کوئی ردوبدل ہوا اور نہ اس نے ترقی کے مدارج طے کئے۔

ہندستان میں برطانوی حکومت کے آئندہ نتیجے[1]

میں اس خط میں ہندستان کے متعلق اپنی بحث ختم کردینا چاہتا ہوں. ہندستان میں انگریزوں کا اقتدار کیسے قائم ہوگیا؟ سلطنت مغلیہ کے اقتدار کو مغل صوبہ داروں نے ختم کیا۔ صوبہ داروں کا زور مرہٹوں نے توڑا۔ اور مرہٹوں کا افغانوں[2] نے۔ اور جب سب ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف تھے اس وقت انگریز آ گھسے اور سب کو اپنا مطیع کرلیا۔ اس ملک میں تفرقہ ہندؤں اور مسلمانوں میں ہی نہیں ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے، ایک ذات دوسری ذات سے الگ ہے اس سماج کی عمارت ایک توازن پر قائم ہے، جو اس کے ارکین کی عام خلوت پسندی اور ایک دوسرے سے خلقی بیگانگی کا نتیجہ ہے۔ ایسے ملک اور ایسے سماج کی قسمت میں فاتحوں کا لقمہ بننا نہ ہوتو اور کیا ہوگا؟ اگر ہمیں ہندستان کی پچھلی تاریخ کا کوئی علم نہ ہوتا تو بھی ایک اتنی بڑی حقیقت سامنے ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور دو

---

[1] یہ مقالہ نیو یارک ٹریبون مورخہ ۸ اگست ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا تھا.

[2] پانی پت کی تیسری لڑائی میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست فاش دی تھی۔ اور حقیقت میں اسی لڑائی کے بعد ہندستان میں مرہٹہ راج کا ستارہ غروب ہونے لگا۔

نقل ہوتے ہیں اور ان کو اتنی بدسلیقگی سے جوڑا جاتا ہے کہ ہاتھ میں آتے ہی خستہ روٹی کی طرح چور چور ہو جاتے ہیں۔

یہ ماننا پڑے گا کہ انگریز مہاجن اور ان کے ساتھ انگریز رئیس زادے بادشاہت کو ذلیل کرنے کے فن سے خوب واقف ہیں۔ گھر پر انھوں نے اسے دستوریت کا جامہ پہنا کر ایک بے حقیقت شے بنا رکھا ہے۔ اور دوسرے ملکوں میں اسے درباری مراسم ادا کرنے کے لئے ایک گوشہ میں چھوڑ دیا ہے اور اب اس نظارہ کو دیکھ کر ترقی کے دلدادہ لوگ آپے سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔

کو تخت سے ہٹانے کے لئے نہ جنگ کرنے کی ضرورت ہو اور نہ وظیفہ دینے کی۔ جہاں تک وظیفہ خوار بادشاہوں کا سوال ہے ان کے لئے برطانوی حکومت نے چوبیس لاکھ اڑسٹھ ہزار نوسو اٹھتر پونڈ کی رقم سرکاری خزانے سے مقرر کر رکھی ہے ایک ایسی قوم کے لئے جو چاول پر گذارہ کرتی اور زندگی کی ابتدائی ضرورتوں سے بھی محروم ہے، یہ رقم ایک بہت بڑا بار ہے۔ ان بادشاہوں کا اب اگر کوئی مصرف ہے تو محض یہ کہ بادشاہت کی ذلیل حالی اور نہایت شرمناک حالت کا مظاہرہ کیا کریں۔ مثال کے طور پر تیمور لنگ کی اولاد، خاندان مغلیہ کے چشم و چراغ کو لے لیجئے اسے ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ ملتا ہے۔ اس کا رعب و دبدبہ اس کے محل کی ان دیواروں کے اندر محدود ہے جہاں یہ فاتر العقل شاہی خاندان اکیلے پڑے پڑے خرگوشوں کی طرح اپنی نسل بڑھاتا رہتا ہے۔ دہلی کی پولیس بھی اس کے اختیار سے باہر انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہاں یہ لاغر، زردرو، بوڑھا انسان نمائشی لباس میں بن سنور کر اپنے تخت پر بیٹھا کرتا ہے، اور سونے کے زیورات میں یوں آراستہ ہوتا ہے جیسے ہندستان کی رقاصہ عورتیں! کبھی کبھی سرکاری تقریبوں کے موقع پر یہ نمائشی کٹھ پتلا زرق برق کپڑوں میں اپنا درشن دیا کرتا ہے۔ جس سے وفاداروں کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔ دربار کے دن آنے والوں کو اشرفی نذر دینی پڑتی ہے، جیسے سرعام مظاہرہ کرنے والے SALLIMBUNQUE[1] کو دی جاتی ہے۔ اور اپنی طرف سے وہ انھیں عمامے، ہیرے جواہرات وغیرہ عطا کرتا ہے۔ لیکن قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ شاہی جواہرات معمولی شیشے کے ٹکڑے ہیں جن پر نہایت معمولی طریقے سے رنگ چڑھا دیا گیا ہے۔ وہ جواہرات کی نہایت بھدی

---

[1] مترجم کو اس لفظ کے معنی نہیں معلوم ہو سکے خیال ہوتا ہے کہ یہ فارسی یا کسی ہندستانی زبان کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک دیسی اشرافیہ کے بغیر ملک کے کسی طبقے میں کوئی جان باقی نہیں رہے گی۔ اور اس اشرافیہ کے فنا ہو جانے سے قوم اوپر نہیں چڑھ سکتی بلکہ اور نیچے گرے گی۔ یہ بات سچ ہے مگر صرف اسی وقت تک جب تک براہ راست انگریزوں کی عملداری میں رہنے والے ہندستانیوں کو فوجی اور دیوانی ہر قسم کے اعلیٰ عہدوں سے باقاعدہ الگ رکھا جائے گا۔ جہاں لوگ اپنے بل بوتے پر بڑے آدمی نہیں بن سکتے وہاں پیدائشی بڑے آدمیوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ مفتوح قوم کے پاس اپنی بڑائی کی کوئی نشانی تو باقی رہے۔ انگریزی راج میں دیسی اقوام کو امور مملکت سے الگ کر دیا گیا۔ استثنیٰ صرف ایک ہے اور وہ ہے نام نہاد آزاد علاقوں میں والیانِ ریاست کا برقرار رہنا۔ اور یہ ضروری تھا کہ دیسی فوج کے لئے جس کی طاقت پر ہندستان میں انگریزی حکومت کا دار و مدار ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی رعایت کی جاتی۔ میرے خیال میں ہم کیمپبل کے اس قول پر بھروسہ کر سکتے ہیں کہ اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کی صلاحیت ہندستان کے دیسی اشرافیہ میں سب سے کم ہے۔ اور تمام نئی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ایک نیا طبقہ بنانے کی ضرورت ہے اور ادنیٰ طبقوں کی ذکاوت اور اکتسابی صلاحیت کے مدنظر یہ جس قدر ہندستان میں ممکن ہے اتنا کسی اور ملک میں نہیں۔"

والیانِ ریاست کے خاندانوں کا چراغ گُل ہوتا جاتا ہے اور اس طرح وہ آپ ہی آپ مٹتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس صدی کے آغاز سے برطانوی حکومت نے انھیں اجازت دیدی ہے کہ متبنّیٰ بچوں کو اپنا وارث بنا جائیں یعنی اپنی خالی جگہوں پر انگریزوں کے بناتے ہوئے کٹھ پتلیوں کو بٹھا جائیں۔ لارڈ ڈلہوزی جو ایک با عزت گورنر جنرل گذرا ہے پہلا آدمی تھا جس نے اس رسم کے خلاف آواز اٹھائی۔ واقعات کی قدرتی رفتار کو اگر مصنوعی طور پر روکنے کی کوشش نہ کی جائے تو والیانِ ریاست

اس لئے سوال دیسی ریاستوں کا نہیں بلکہ والیان ریاست اور ان کے درباروں کو برقرار رکھنے کا ہے۔ پھر کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ وہی لوگ جو "انگلستان کے تاجدار اور رئیس زادوں کی جاہلانہ شان وشوکت" پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ ہندستانی نوابوں اور جاگیرداروں کے زوال پر آنسو بہا رہے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کے پلے فخر کرنے کے لئے بزرگوں کا نام بھی نہیں کیونکہ وہ خود بھی غاصب ہیں۔ جنھیں انگریزوں کی سازش نے ابھی حال میں گدّی پر بٹھایا تھا۔ دنیا میں الف لیلہ کے شہر ناتون اور شہریاروں کی مطلق العنانی سے بڑھ کر مضحکہ خیز، مہمل اور طفلانہ مطلق العنانی اور کہیں نہیں۔ ڈیوک آف ولینگٹن، سرجان میلکم، سرہنری رسل، لارڈ ایلن برو، جنرل برگز اور دوسرے مدبرین نے موجودہ صورت حال کو برقرار رکھنے کی رائے دی ہے۔ لیکن کس بنا پر؟ اس بنا پر کہ انگریزی عملداری کی دیسی فوجوں کو خود ان کے ہم وطنوں کے خلاف چھوٹی موٹی لڑائیوں میں مصروف رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے یورپی آقاؤں کے خلاف اپنی طاقت کو استعمال نہ کرسکیں۔ اور اس لئے کہ آزاد ریاستوں کے قائم رہنے سے انگریزی فوجوں کو گاہے گاہے کچھ کام ملجایا کرتا ہے پھر ایک وجہ یہ ہے کہ موروثی والیان ریاست انگریزی اقتدار کا سب سے غلامانہ ہتھیار ہیں۔ اور ان دلیر فوجی مہم پسند سرداروں کے ابھرنے اور بڑھنے میں مانع ہوتے ہیں جن کی ہندستان میں ہمیشہ کثرت رہی ہے۔ اور رہے گی ان تمام دیسی عناصر کے ستے جن کے دل میں بے اطمینانی اور سر میں مہم جوئی کا سودا ہے یہ آزاد علاقے جائے پناہ کا کام دیتے ہیں۔ ان تمام دلیلوں کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ والیان ریاست انگریزوں کے موجودہ قابل نفریں نظام کے ستون اور ہندستان کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ لیکن ان سے قطع نظر اب میں سرتھامس منرو اور لارڈ الفنسٹن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اور کچھ نہیں تو کم از کم غیر معمولی صلاحیت کے آدمی ہیں اور اہل ہند سے واقعی ہمدردی

تخت سے زبردستی معزول کیے جائیں۔ اس وقت دیسی ریاستیں چھ لاکھ ننانوے ہزار نوسو اکسٹھ مربع میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان سب کی مجموعی آبادی پانچ کروڑ انتیس لاکھ، اکتالیس ہزار دوسو تریسٹھ ہے۔ لیکن اب نہ برطانوی حکومت کی حلیف نہیں بلکہ محض تابعدار ہیں اور اس کی ماتحتی اور امان کی مختلف صورتوں میں طرح طرح کی پابندیوں سے جکڑی ہوئی ہیں۔ ان سب میں صرف ایک بات مشترک ہے کہ دیسی ریاستوں کو اپنی آپ حفاظت کرنے، آپس میں سفارتی تعلقات برقرار رکھنے اور باہمی جھگڑوں کو گورنر جنرل کی مداخلت کے بغیر طے کر لینے کے حقوق سے دست بردار ہو جانا پڑا۔ سبھی ریاستوں کو کچھ نہ کچھ خراج ادا کرنا ہوتا ہے چاہے وہ نقد روپے کی صورت میں ہو یا اس کے بدلے ایک مسلح فوج کا خرچ اٹھایا جائے جس کی کمان برطانوی افسر کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ان دیسی ریاستوں کو بالکل جذب یا الحاق کر لینے کے مسئلے پر آج کل بڑی گرما گرم بحث چھڑی ہوئی ہے۔ مصلحین اسے جرم سمجھ کر برا کہتے ہیں اور کاروباری لوگ اس کی ضرورت دکھا کر اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میری رائے میں سوال غلط طریقے سے پیش کیا جا رہا ہے۔ دیسی ریاستوں کا وجود تو اسی لمحہ ختم ہو گیا جب انھوں نے کمپنی کی ماتحتی یا امان قبول کی۔ اگر آپ کسی ملک کے ذرائع آمدنی کو دو حکومتوں میں تقسیم کرنے لگیں تو یقین ہے کہ آپ ایک کی آمدنی اور دونوں کے نظم و نسق کو بگاڑ دیں گے موجودہ حالت میں دیسی ریاستیں دُہری مصیبت کے بوجھ سے دبی ہوئی ہیں۔ ایک تو خود ان کا نظم و نسق اور اس پر کمپنی کے عائد کئے ہوئے خراج اور محکمہ فوج کے حد سے بڑھے ہوئے اخراجات۔ جس حالت میں انھیں اپنی ظاہری آزادی کو برقرار رکھنے کی اجازت ملی ہے۔ وہی ان کے آئندہ زوال کی حالت ہے ان میں نشو و نما کی صلاحیت بالکل باقی نہیں۔ قوت نمو کا زائل ہو جانا ان تمام موجودات کے لئے ایک خلقی قانون ہے جو دوسروں کے سہارے جیتی ہیں، اور یہی حال ان کا بھی ہے

حتیٰ کہ خود بوناپارٹ کے دل شکستہ حامی مل کر الزامات کی فہرست تیار کریں تو اسے سن کر جو احساس پیدا ہوگا وہی احساس انجمن اصلاح ہند کی مطبوعات پڑھ کر ہوتا ہے۔ اب تک انجمن اصلاح ہند والوں کا واحد کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عام طور پر ہندستانی مسائل کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔ لیکن اپنی موجودہ بے اصول مخالفت کی حالت میں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس وقت حال یہ ہے کہ ایک طرف وہ ہندستان میں انگریز رئیس زادوں کی کرتوتوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ مگر دوسری طرف ہندستان کے دیسی اجاروں اور رئیس زادوں کی بربادی کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔

جب انگریز غاصبوں نے ایک بار ہندستان میں اپنے قدم جما لئے اور اس کو اپنے قبضے میں رکھنے کا ارادہ کر لیا تو پھر ان کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ والیان ریاست کے اقتدار کو زور، زبردستی کر کے یا خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ ختم کر دیں۔ ان کے ساتھ انگریزوں کو وہی صورت پیش آئی جو قدیم اہل روما کو اپنے حلیفوں کے ساتھ پیش آئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے رومی سیاست کی روش اختیار کی۔ ایک انگریز مصنف لکھتا ہے:۔ "ہمارا طریقہ یہ تھا کہ اپنے مددگاروں کو کھلا پلا کر فربہ کریں جیسے بیل کو فربہ کیا جاتا ہے، تاکہ وہ ذبح کرنے کے لائق ہو جائے۔" قدیم اہل روما کی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اپنے لئے مددگار پیدا کئے اور لندن کے سٹہ بازار کے طریقہ سے انھیں ہلاک کیا۔ والیان ریاست نے کمپنی کے ساتھ جو وعدے کئے تھے ان کو پورا کرنے کے لئے انھیں مجبوراً انگریزوں سے بڑی بڑی رقمیں کثیر شرح سود پر قرض لینی پڑیں۔ اور جب ان کی پریشانیوں کی کوئی انتہا نہ رہی تو قرض دینے والوں نے سختی شروع کر دی: "لگام کسی جانے لگی۔" اور والیان ریاست کو مجبور ہونا پڑا کہ یا تو راضی خوشی اپنے علاقے کمپنی کے حوالے کر دیں یا پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ یعنی اپنے غاصبوں کے وظیفہ خوار بن کر زندگی گزاریں یا پھر دوسری صورت میں غدار کہلائیں اور

دیسی ریاستیں[1]

قانون ہند کی دفعات یکے بعد دیگرے منظور ہوتی جا رہی ہیں۔ مباحثے میں صرف ایک ہی قابل ذکر خصوصیت ہے اور وہ ہے ان لوگوں کا بے اصولا پن جو ہندستان کے مصلح کہلاتے ہیں۔ مثلاً پارلیمنٹ کے ایک ممبر لارڈ جوکلین صاحب ہیں۔ انھوں نے اسی کو اپنا روزگار بنا لیا ہے کہ ہندستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی زیادتیوں اور بد نظمیوں پر رہ رہ کر اظہار ملامت کیا کریں۔ لیکن کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ ان کی ترمیم کا ماحصل کیا تھا؟ یہ کہ کمپنی کو دس سال کے لئے اجارہ دیدیا جائے۔ شکر ہے کہ اور کسی نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ ایک اور پیشہ ور "مصلح" مسٹر جوشیا ہیوم ہیں۔ انھوں نے اپنی طویل طویل پارلیمانی زندگی میں خود مخالفت کو ایسی شکل دیدی ہے کہ اس میں حکومت کی حمایت کے پہلو نکل آئے ہیں۔ ان کی تجویز تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی تعداد چوبیس سے گھٹا کر اٹھارہ نہ کی جائے۔ ابھی تک صرف ایک ہی معقول ترمیم منظور ہوئی ہے اور وہ مسٹر برائٹ نے پیش کی تھی کہ حکومت جو ڈائرکٹر (منتظم) نامزد کرے ان کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی میں حصہ دار ہونے کی شرط اٹھا لی جائے۔ یہ شرط مجلس مالکان کے منتخب کیے ہوئے منتظمین نے عاید کی تھی۔ اگر لونا پارٹ کے خلاف خاندان شاہی کے جائز وارثوں کے حامی اور نئین اِسٹ، اور نرم اور گرم جمہوریت پسند

---

[1] مطبوعہ نیویارک ٹریبون مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۵۳ء

پر کلنک کے ٹیکے کی طرح برک کے یہ مشہور الفاظ کندہ کر دئے جائیں۔ "بازاری سیاست والوں کا یہ قبیلہ انسانیت کے لئے باعث ننگ ہے۔ ان کی حکومت سے بڑھ کر شرمناک اور بے دماغی کا کام اور دنیا میں کوئی نہیں، صرف ضمیر اور سچی عظمت کی آواز پر وہ کسی راستے پر اپنے قدم نہیں اٹھاتے۔ ریاستوں کا کوئی وسیع، شریفانہ اور دور اندیش تصور ان کے نزدیک رومان پسندی ہے۔ اور جن اصولوں پر اس کی بنیاد ہوتی ہے انھیں وہ خلل دماغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ایسے آدمی کو وہ خبط الحواس کہتے ہیں۔ مسخرے انھیں ہر قابل احترام اور باعظمت چیز سے شرم دلاتے ہیں۔ ان کا مقصد حقیر ہے اور اس کو حاصل کرنے کا ذریعہ ان کی نظر میں پختگی اور سنجیدگی کے مترادف ہے۔"

لیڈن ہال اسٹریٹ اور کینن رو کے دفتروں کے لئے ہندستان والوں کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کی معمولی سی رقم کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ حکمراں طبقہ ہندستان کو جنگوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ ان کے چھوٹے بیٹوں کو ملازمت مل سکے۔ بزدل طبقہ ان ملازموں کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ اور ایک پایہ تخت نوکر شاہی اس کے نظم ونسق کو مفلوج اور اس کی خرابیوں کو قائم رکھتی ہے کہ وہی اس کے اپنے بقا کی شرط ہے۔

موجودہ نظام میں سر چارلس اُڈ کے مسودہ قانون سے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ وزارت کو نئے اختیارات مل گئے مگر اس کی ذمہ داری میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔

گئے تھے۔

آپ کو یہ بتانے کے لئے کہ دار الہند کے کاموں میں کس طرح وقت کا خون کیا جاتا ہے۔ میں مسٹر ڈکنسن کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں:۔

"جب ہندستان سے کوئی مراسلہ آتا ہے تو پہلے اسے شعبۂ نظارت میں بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد صدر اس شعبہ کے حاکم اعلیٰ سے مشورہ کرتے ہیں اور یہ طے کرتے ہیں کہ جواب کیا دیا جائے۔ پھر اس جواب کا ایک مسودہ وزیر ہند کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ اسے مختصر طور پر پی، سی، یعنی مراسلہ اول کہتے ہیں، مراسلہ اول کو صدر پورے بھروسہ کے ساتھ محرروں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ان کی مجبوری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جماعت مالکان کے مباحثے میں جس کی اطلاع بیشتر مل جاتی ہے، صدر ہر بات پر ایک سکریٹری کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ سکریٹری اس کے قریب بیٹھا ہوا بار بار کانا پھوسی کرتا ہے، اسے سبق دیتا اور ہدایتیں کرتا رہتا ہے۔ گویا صدر کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں، اور دوسرے کنارے پر وزیر صاحب کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ مراسلہ اول کے اس مرحلے میں اگر مسودے پر کوئی اختلاف پیدا ہو تو اسے ہمیشہ صدر اور وزیر دوستانہ طریقہ سے طے کر لیتے ہیں۔ آخر میں وزیر اس مسودہ کو منظور یا ترمیم کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد جس شعبہ سے اس مراسلہ کا تعلق ہوتا ہے اس پر غور مباحثہ اور ترمیم ہوتی ہے۔ پھر پوری جماعت منتظمین کے جلسہ میں ایک بار یہی عمل دوہرایا جاتا ہے۔ وہاں بھی اس پر یہی عمل مگر ایک مختلف نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے۔"

مسٹر کیمبل کہتے ہیں کہ جب ہندستان میں کسی مسئلے پر بحث ہو اور یہ اعلان کیا جائے کہ "اسے جماعت منتظمین کے پاس بھیج دیا گیا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اسے ایک لامحدود عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔"

اس نوکر شاہی کی تنگ اور ذلیل ذہنیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے ماتحے

کام کے کسی طرح اہل نہیں اور اگر کچھ اہلیت بھی ہو تو ادل بدل کرنے کا یہ طریقہ اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا ہے۔ تو پھر منتظمین کے نام سے اصل میں حکومت کون کرتا ہے؟ دار الہند میں غیر ذمہ دار سکریٹریوں، ناظروں اور محرروں کا عملہ! ان کے بارے میں مسٹر کیمبل اپنی کتاب "حکومت ہند کی ایک تدبیر" میں لکھتے ہیں کہ صرف ایک ہی آدمی کسی زمانے میں ہندستان گیا تھا اور وہ بھی محض اتفاق سے! اس لئے اپنے حق پرستی کی خرید و فروخت کے علاوہ جماعت منتظمین کی سیاست، اس کے اصولوں اور اس کے نظام کا ذکر کرنا محض دروغ گوئی ہے۔ ہندستان کی اصلی جماعت منتظمین اور اصلی مجلس نگرانی حقیقت میں وہ مستقل اور غیر ذمہ دار نوکر شاہی ہے جو لیڈن ہال اسٹریٹ میں قیام کرتی اور دفتر کی میز کرسی (اور سرپرستوں کے احسانات) کی تخلیق ہے۔" غرض کہ ایک وسیع سلطنت پر ایک جماعت کی حکومت ہے۔ مگر وینس کی حکمراں جماعت کی طرح یہ ممتاز اور خاندانی شرفا سے مل کر نہیں بنی۔ بلکہ اس میں بڈھے کھوسٹ اور ضدی محرر اور اسی طرح کے ایرے غیرے بھرے ہوئے ہیں۔

چنانچہ کوئی حیرت نہیں کہ حکومت ہند کی جیسی اور کوئی حکومت دنیا میں نہیں جو لکھتی اس قدر ہو اور کرتی کچھ نہ ہو۔ جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی محض ایک تجارتی انجمن تھی، تب اس میں شک نہیں کہ وہ ہندستان میں اپنی فیکٹریوں کے منیجروں سے ہر بات پر تفصیلی رپورٹ طلب کرتی تھی، جیسا کہ تمام تجارتی اداروں کا دستور ہے۔ جب فیکٹری بڑھ کر سلطنت بنی اور تجارتی جنرلوں نے بے شمار مراسلات اور دستاویزوں کی شکل اختیار کی، اس وقت بھی لیڈن ہال اسٹریٹ کا پرانا طریقہ جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منتظمین اور مجلس نگرانی ان کے دست نگر ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ میں حکومت ہند لکھنے کی ایک عظیم الشان مشین بن گئی۔ لارڈ براؤٹن نے سرکاری تنخواہ کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے کہا تھا کہ صرف ایک مراسلے میں ایک بار پینتالیس ہزار صفحات بھیجے

جنگوں میں مبتلا کرتا ہے، اور دوسری جماعت منتظمین مجلس نگرانی کی آڑ میں ہندستان کے نظم ونسق کو خراب کرتی ہے۔

اس بھنگم حکومت کے ڈھانچہ کو زیادہ غور سے دیکھنے پر ہمیں ایک تیسری طاقت دکھائی دے گی جو مجلس نگرانی یا جماعت منتظمین دونوں سے زیادہ با اقتدار مانتے عامہ سے زیادہ پوشیدہ اور اس کی نگرانی سے بالکل محفوظ ہے۔ مجلس کا عارضی صدر اپنے دفتر (واقع کینن رو) کے مستقل محرروں کا دست نگر ہے۔ اور جہاں تک ان محرروں کا تعلق ہے، ان کے لئے ہندستان دراصل ہندستان میں نہیں بلکہ لیڈن ہال اسٹریٹ میں بسا ہوا ہے اور لیڈن ہال اسٹریٹ میں کس کا طوطی بولتا ہے؟

دو ہزار آدمی، بوڑھی خواتین اور دائم المریض شرفا۔ الیسٹ انڈیا کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ ان کو ہندستان سے اس کے سوا کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندستان کی مالگذاری سے ان کے حصے کا منافع انھیں ملتا رہے۔ اور وہ پچیس ۲۵ منتظمین منتخب کر دیا کریں جس کی واحد شرط ایک ہزار پونڈ کے حصوں کا مالک ہونا ہے۔ سوداگر، ساہوکار اور دوسری کمپنیوں کے ڈائرکٹر اپنے ذاتی کاروبار کے فائدے کی خاطر جماعت منتظمین میں داخل ہونے کے لئے طرح طرح کی مصیبت اٹھاتے ہیں۔ مسٹر برائٹ کا قول ہے کہ "شہر لندن میں جو بنکر، الیسٹ انڈیا کمپنی کے تین سو ووٹوں کا مالک ہو اس کا کہا ہوا، ایک قانون مطلق کی حیثیت رکھتا ہے۔" لہذا جماعت منتظمین کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ انگلستان کے زردار طبقہ کی کنیز ہے اس طرح منتخب ہو جانے پر یہ جماعت، مذکورہ بالا خفیہ کمیٹی کے علاوہ مندرجہ ذیل تین اور کمیٹیاں قائم کرتی ہے۔ (۱) سیاسی اور فوجی (۲) مالیات اور امور ملکی (۳) مالگذاری، عدالتی اور قانون سازی۔ ان کمیٹیوں میں ہر سال ردّ و بدل کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک ماہر مالیات ایک سال عدالتی اور دوسرے سال فوجی کمیٹی میں کام کرتا ہے۔ اور کسی کو بھی یہ موقع نہیں ملتا کہ برابر کسی ایک ہی شعبہ کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ انتخاب کا طریقہ ایسے آدمیوں کو اوپر لے آتا ہے جو اپنے

سرپرستی کا حق ہے وہی تمام محرری اور ابتدائی فوجی اسامیاں تقسیم کرتے ہیں، اور انھیں میں سے ہندستان کے گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں کو وہ تمام اعلیٰ عہدے پُر کرنے ہوتے ہیں جن سے ہندستانیوں کو محروم رکھا گیا ہے۔ جب کسی سال اسامیوں کی تعداد متعین ہوجاتی ہے تو اس کو اٹھائیس برابر حصوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ جن میں دو حصّے صدر اور نائب صدر کو، دو مجلس نگرانی کے صدر کو، اور ایک منتظم (ڈائرکٹر) کو ملتا ہے۔ سرپرستی کے ہر حصّے کی سالانہ قیمت شاید ہی کبھی چودہ ہزار پونڈ سے کم ہوتی ہو۔ مسٹر کیمپبل کہتے ہیں کہ:۔ "تمام نامزدگیاں اب گویا افراد کی ملکیت ہیں۔ جنھیں ڈائرکٹروں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ اور ہر ایک اپنے حصّہ کو جیسے چاہتا ہے فروخت کرتا ہے۔" ظاہر ہے کہ جماعت منتظمین کی یہی روح ہندستان کے تمام اعلیٰ منتظمین میں کام کررہی ہے۔ کیونکہ وہ ایڈس کومبے اور ہالے بیوری کے اسکولوں میں تربیت پاتے اور انھیں کی سرپرستی کی بدولت مقرر ہوتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جماعت منتظمین سال بہ سال تقریباً چار لاکھ پونڈ قیمت کے عہدے برطانیہ کے اعلیٰ طبقوں میں تقسیم کرتی ہے اس لئے اسے اس طبقے کی رائے عامہ سے کسی طرح کی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا ہوگا۔ جماعت منتظمین کا کیا حال ہے یہ میں ہندستان کے متعلق ایک اور خط میں بتاؤں گا۔ سردست اتنا کہدینا کافی ہے کہ مسٹر میکالے نے دوران مباحثہ میں جماعت منتظمین کی مدافعت کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ وہ جتنی برائیاں کرنا چاہتے ہیں اس کی اہمیت نہیں رکھتے، طرفہ یہ کہ جتنی اصلاحیں عمل میں آئی تھیں وہ سب ان کی مخالفت کے باوجود اور ان کے خلاف انفرادی گورنروں کے ذریعہ ہوئی تھیں۔ گورنروں نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر ایسا کیا تھا، چنانچہ ستی کی رسم اسی طرح بند کی گئی۔ آمد و رفت کے قابل نفرت محصول کا ازالہ ہوا۔ اور ہندستان میں چھاپنے کی آزادی عطا کی گئی۔

غرضکہ مجلس نگرانی کا صدر جماعت منتظمین کے پردے میں ہندستان کو تباہ کن

کریں۔" ہندستان سے آنے جانے والے تمام خطوط، اور مراسلات اور جماعت مالکان و منتظمین کی کارروائیوں کی جانچ پرتال کرنے کا مجلس نگرانی کو پورا حق حاصل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جماعت منتظمین کو ایک خفیہ کمیٹی مقرر کرنی ہوتی ہے جو جماعت کے صدر، نائب صدر اور ایک قدیم رکن پر مشتمل ہوتی ہے۔ انھیں رازداری کا حلف لینا پڑتا ہے۔ اور انھیں کے توسط سے تمام سیاسی اور فوجی معاملات میں مجلس نگرانی کا صدر اپنے ذاتی احکام ہندستان روانہ کرتا ہے۔ اور کمیٹی صرف اس کے مراسلات پہونچانے کی خدمت انجام دیتی ہے۔ افغانی اور بری لڑائیوں اور سندھ پر قبضہ کرنے کے احکام اسی خفیہ کمیٹی کے توسط سے بھیجے گئے تھے اور اس کی خبر نہ تو جماعت منتظمین کو تھی اور نہ عوام الناس یا پارلیمنٹ کو۔ لہٰذا اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجلس کا صدر ہی شاہان مغلیہ کا اصلی جانشین ہے۔ فتنہ و فساد اور غارت گر جنگیں کرنے کی لامحدود طاقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ مگر وہ ہمیشہ جماعت منتظمین کی آڑ میں چھپ کر کام کرتا ہے۔ لیکن دوسری طرف جماعت منتظمین بھی اصلی طاقت سے بالکل محروم نہیں ہے۔ انتظامی معاملات میں عام طور سے پہل وہی کرتے ہیں اور مجلس نگرانی کے مقابلے میں وہ ایک زیادہ مستقل اور پائدار جماعت ہے۔ جس کے کام کے دیرینہ اصول مقرر ہیں۔ جنھیں تفصیلات کا پورا علم ہے اس لئے روزمرّہ کا اندرونی انتظام لازماً ان کے حصّے میں پڑتا ہے۔ بادشاہ کی منظوری کے تحت وہی ہندستان کی حکومت اعلیٰ یعنی گورنر جنرل اور اس کی کونسل کا تقرر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو یہ غیر محدود اختیار بھی حاصل ہے کہ سب سے بڑے عہدہ داروں حتیٰ کہ گورنر جنرل کو بھی واپس بلا لیں جیسا کہ سر رابرٹ پیل کے زمانے میں انھوں نے لارڈ ایلن برو کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن یہی ان کا سب سے اہم حق نہیں۔ ان کو سالانہ صرف تین سو پونڈ ملا کرتے ہیں۔ مگر ان کا معاوضہ حقیقت میں

میں کوئی مشکل نہیں نظر آتی۔ مگر دوسری طرف یہ سوال بہت پیچیدہ ہے کہ ہندستان پر انگریز قوم ملکہ وکٹوریہ کے نام سے حکومت کرے یا ایک گمنام جماعت کی دیرینہ تجارتی کمپنی کے نام سے۔ غرض کہ بظاہر یہ سارا مسئلہ قانونی باریکیوں سے پُر معلوم ہوتا ہے جن کی اہمیت کچھ بہت واضح نہیں۔ لیکن مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔

اولاً یہ بات قابلِ غور ہے کہ وزارتی مجلس نگرانی جو کہ ین رو میں واقع ہے اسی قدر بے حقیقت چیز ہے جتنی خود ایسٹ انڈیا کمپنی۔ جس کا مستقر کہا جاتا ہے لیڈن ہال میں ہے۔ مجلس نگرانی میں جو اراکین شامل ہیں وہ اصل میں صدر مجلس کے اختیار مطلق کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور یہ صدر خود وزارت شاہی کا آزاد مگر ماتحت ممبر ہے۔ ہندستان میں یہ ایک امر مسلمہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کام کا نہ ہو تو اس سے چھٹکارا پانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اُسے جج بنا دیا جائے، برطانیہ میں جب کوئی پارٹی برسر اقتدار آتی ہے اور خود کو کسی ادنیٰ درجہ کے "مدبر" کے زیر بار پاتی ہے تو سب سے اچھا یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسے شاہانِ مغلیہ کا جانشیں یعنی مجلس نگرانی کا صدر بنا دیا جائے اور اس طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے

قانون کے الفاظ یہ ہیں کہ مجلس نگرانی کو، جو اس کے صدر کا ہی دوسرا نام ہے" اس بات کا پورا اختیار اور حق حاصل ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام معاملات، افعال و حرکات کی جو کسی طرح بھی ہندستانی علاقہ جات کی حکومت یا آمدنی سے تعلق رکھتے ہوں"۔ نگرانی، جانچ پڑتال اور ہدایت کرے۔" منتظمین کو ممانعت ہے کہ "مجلس نگرانی کی منظوری کے بغیر ہندستان یا اس کی حکومت کے بارے میں کسی قسم کے احکام، ہدایتیں، مراسلات، سرکاری خطوط یا پیغام جاری نہ کریں" منتظمین کو مزید یہ حکم ہے کہ مجلس نگرانی کے حکم پر چودہ دن کے اندر کسی موضوع پر بھی ہدایات یا احکام تیار کریں، یا ہندستان کے متعلق مجلس نگرانی کے احکام پہنچایا

گورنر جنرل سے فی الحال قطع نظر کر لیجئے تو مسئلہ ایک دو عملی حکومت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس صورت میں انگریزوں کے لئے یہ کوئی غیر مانوس چیز نہیں ہے۔ وزرا اپنے مسودات قانون میں اور دار العوام اپنے اختلاف رائے کے ذریعہ اس دو عملی کو سینہ سے لگائے رہتے ہیں۔

مہم پسند انگریز سوداگروں کی کمپنی نے جب روپیہ کمانے کے لئے ہندستان فتح کیا اور اپنے کارخانے کو بڑھا کر سلطنت بنانا شروع کی، اور جب ولندیزی اور فرانسیسی سوداگروں سے ان کی مسابقت نے قومی رقابت کی شکل اختیار کی تو اس وقت برطانوی حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں مداخلت شروع کی اور ہندستان کی دو عملی حکومت اگر نام میں نہیں تو عملاً ضرور قائم ہوگئی۔ پٹ کے ۱۷۸۴ء والے قانون نے کمپنی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ اسے مجلس نگرانی کی دیکھ بھال میں دے دیا اور مجلس نگرانی کو وزارت کا ایک شعبہ بنا کر اس دو عملی حکومت کو جسے واقعات کی رفتار وجود میں لے آئی تھی، تسلیم کر لیا۔ اور اسے قانون کے تحت لا کر ایک حالت پر قائم کر دیا۔

۱۸۳۳ء کے قانون نے مجلس نگرانی کو زیادہ مضبوط بنا دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالکوں کی حیثیت بدل کر محض ہندستان کی آمدنیوں کے گردی دار کی ہوگئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنے حصے فروخت کرنے کا حکم ملا، اس کی تجارتی حیثیت ختم ہوگئی اور جہاں تک اس کی سیاسی حیثیت تھی اسے بدل کر محض سلطنت کا امین بنا دیا گیا اور اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو کمپنی ہندستان کے والیان ریاست کے ساتھ کرنے کی عادی تھی۔ وہ انھیں الگ کرنے کے بعد ایک عرصے تک ان کے نام پر حکومت کیا کرتی۔ ۱۸۳۳ء سے اب تک ایسٹ انڈیا کمپنی صرف نام کو اور دوسروں کے بل بوتے پر زندہ ہے۔ چنانچہ کمپنی سے بالکل چھٹکارا پانے

تقریریں کیں، لیکن تاریخ میں آج ایک نئی بات ہو رہی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے پندرہ کروڑ ساٹھ لاکھ باشندوں پر، تیرہ لاکھ انسٹھ ہزار ایک سو تیرہ مربع میل کے علاقے پر حکومت کرتی ہے۔ اور اب اس کی نمائندہ مجلس بڑی سنجیدگی کے ساتھ ایک جلسۂ عام میں اس عجیب و غریب سوال پر غور کرنے جمع ہوئی ہے کہ غیر قوم کے سا[ٹھ] پندرہ کروڑ باشندوں پر ہم میں سے سچ مچ کس کی حکومت ہے؟ برطانوی پارلیمنٹ میں کوئی لال بجھکڑ نہیں تھا جو اس معمّہ کو حل کر سکتا۔ سارا مباحثہ محض اس ایک سوال کے گرد چکر لگاتا رہا اور اگرچہ رائے شماری بھی ہوئی مگر حکومت ہند کی تفریح نہ ہو سکی۔

ہندستان میں سرکاری خرچ آمدنی سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ جنگیں برابر کثرت سے ہوتی رہتی ہیں مگر رفاہ عام کے کاموں کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ محصول کا ایک نہایت ہی قابل نفرت طریقہ رائج ہے۔ اور قانون اور عدالت کا حال اس سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہی پانچ باتیں گویا ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کے پانچ نکتے ہیں درحقیقت ۱۸۵۳ء اور ۱۸۳۵ء اور اس کے پہلے ۱۸۱۳ء اور اس سے بھی پہلے کے تمام مباحثوں میں جو ہندستان سے متعلق تھے، یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن اس کا پتہ کبھی نہ لگ سکا کہ اس کی ذمہ داری کس پارٹی پر ہے؟

اس میں شک نہیں کہ ہندستان میں ایک حاکم اعلیٰ (گورنر جنرل) موجود ہے جو تمام سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ لیکن خود اس حاکم پر حکومت داخلہ کی حکومت ہے مگر یہ حکومت داخلہ کیا ہے؟ کیا وہ وزیر ہند ہے؟ جو مجلس نگرانی کے صدر کے معمولی لقب میں اپنی ہستی کو چھپائے رکھتا ہے؟ یا وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے چوبیس منتظمین (ڈائرکٹروں) کا نام ہے؟ ہندستانی مذہب کا آغاز ایک مذہبی تثلیث سے ہوتا ہے، اسی طرح حکومت ہند کی دہلیز پر بھی ہمیں ایک غیر مذہبی تثلیث نظر آتی ہے۔

ہندستان کی حکومت[۱]

مسٹر ہیلڈے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک عہدہ دار ہیں، انھوں نے ایک تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ:- "جب پارلیمنٹ کے فرمان کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بیس سال کا اجارہ عطا کیا گیا تو ہندستان کے باشندے سمجھتے تھے کہ انھیں پٹہ پر بندوبست کیا جا رہا ہے۔" اس مرتبہ کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ فرمان کسی مقررہ مدت کے لئے عطا نہیں کیا گیا؛ بلکہ پارلیمنٹ جب چاہے اسے منسوخ کر سکتی ہے۔ لہذا کمپنی کو موروثی مالک ہونے کی جو عزت نصیب تھی وہ ختم ہو گئی۔ اس بلندی سے گر کر وہ بہت غیر محفوظ حالت میں پہونچ گئی ہے، کیونکہ اب وہ ایک عارضی آسامی ہے۔ خیر ہندستانیوں کے حق میں یہ اچھا ہوا۔ مشترکہ وزارت نے دوسرے مسائل کی طرح حکومت ہند کے مسئلے کو بھی بحث طلب اور اختلافی مسئلہ بنا دیا ہے دوسری طرف دار العوام نے اپنے افلاس کی ایک نئی سند پیش کی ہے۔ اسی اختلاف رائے میں اس نے اعتراف کر لیا کہ وہ قانون بنانے کے اہل نہیں، مگر ساتھ ہی اس قانون سازی میں دیر کرنے پر بھی آمادہ نہیں۔

ارسطو کے زمانے سے یہ سوال چلا آ رہا ہے کہ حکومت کس کی ہو؟ لوگوں نے اس مسئلہ پر بقدر استطاعت اچھے یا بُرے ہر طرح کے بے شمار مقالے لکھے اور ان گنت

---

[۱] مطبوعہ نیو یارک ڈیلی ٹریبون، مورخہ ۲۰ جولائی ۱۸۵۳ء

دستِ نگر کیوں ہوئے۔ لیکن جب انھوں نے ہندستان میں سرمایہ لگانے کی کوشش کی تو دیکھا کہ ہندستان کے حکام ان کے راستے میں طرح طرح کی دشواریاں اور قانونی حیلے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستان کے میدان میں ایک طرف صنعتی طبقے اور دوسری طرف ارباب زر اور حکمراں جماعت میں مقابلے کی ٹھن گئی۔ کارخانے دار جن کو انگلستان میں اپنی فوقیت کا پورا احساس ہے۔ اب ہندستان میں ان مخالف قوتوں کو برباد کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حکومت ہند کے قدیم ڈھانچہ کو بالکل توڑ دینا چاہتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے۔

ابھی ہندستان کے مسئلے کو چوتھے اور آخری نقطۂ نظر سے دیکھنا باقی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندستان کی مالی دشواریاں برابر بڑھتی گئی ہیں۔ پانچ کروڑ پونڈ حکومت پر قرضہ ہے۔ حکومت کی آمدنی کے ذرائع مسدود ہوتے جا رہے ہیں مگر اخراجات میں اسی نسبت سے اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کو بڑے مشتبہ طریقے سے افیون کے محصول سے جو گویا جوئے کی آمدنی سے پورا کیا گیا ہے۔ اب یہ راستہ بند ہوتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ چین والوں نے خود خشخاش کی کاشت شروع کر دی ہے۔ برما کی بے مطلب لڑائی کے اخراجات نے حالات کو اور سنگین کر دیا ہے مسٹر ڈکنسن کہتے ہیں "آج جو صورت ہے اس میں ہندستان کی سلطنت کا ہاتھ سے نکلنا انگلستان کو تباہ کر دے گا۔ لیکن اس کو قائم رکھنے کے لئے ہم اپنے ذرائع آمدنی پر اس قدر بوجھ ڈال رہے ہیں کہ وہ تباہ ہو جائے گی۔"

ہم نے دیکھ لیا کہ پھر کبھی ۱۷۸۳ء کے بعد پہلی مرتبہ ہندستان کا سوال ساری انگریز قوم اور مجلس وزارت کا سوال بن گیا ہے۔

نفع بخش بازار تھا۔ جس رفتار سے برطانیہ کے سارے سماجی ڈھانچے کے لئے صنعت پارچہ بافی کی اہمیت میں اضافہ ہوا، اسی مناسبت سے برطانوی صنعت پارچہ بافی کے لئے ہندستان کی اہمیت بھی بڑھتی گئی۔

اس وقت تک ارباب زر جنھوں نے ہندستان کو اپنی زمینداری بنالیا تھا، حکمراں جماعت جس نے اس کو اپنی فوج سے جکڑ کر فتح کیا تھا اور مالکان مل جنھوں نے اس کو اپنی مصنوعات سے بھر دیا تھا۔ سب خوشی خوشی ساتھ جا رہے تھے، سب کا مفاد ایک تھا۔ لیکن جیسے جیسے صنعتی طبقے کا دار و مدار ہندستان کے بازار پر ہوتا گیا اتنا ہی زیادہ وہاں کی دیسی صنعت کو برباد کر دینے کے بعد ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندستان میں نئی پیدا آور طاقتوں کو وجود میں لائے۔ کسی ملک کو آپ اپنی مصنوعات سے بھر نہیں سکتے، تاوقتیکہ اسے اس قابل نہ بنا دیا جائے کہ معاوضہ میں وہ کوئی پیداوار دے سکے۔ صنعتی طبقے نے دیکھا کہ اس کی تجارت بڑھنے کے بجائے گھٹتی جا رہی ہے۔ ۱۸۶۴ء پر جو چار سال ختم ہوئے ان میں پچپن کروڑ تیس لاکھ روپیہ کا مال برطانیہ سے ہندستان درآمد کیا گیا اور ہندستان سے پہلے چار برسوں میں ستائیس کروڑ چالیس لاکھ روپیہ اور دوسرے چار سال میں پچیس کروڑ چالیس لاکھ روپیہ کا مال برآمد کیا گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے مال کو صرف کرنے کی استعداد ہندستان میں بے حد کم ہو گئی تھی۔ برطانوی غرب الہند میں ان کی مصنوعات کا صرف فی کس ۱۴ شلنگ، چیلی میں ۹ شلنگ ۳ پنس، برازیل میں ۶ شلنگ ۵ پنس، کیوبا میں ۶ شلنگ ۲ پنس، پیرو میں ۵ شلنگ ۷ پنس، وسطی امریکہ میں ۱۰ پنس اور ہندستان میں صرف ۹ پنس تھا۔ اسی زمانہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کپاس کی فصل کچھ برباد ہو گئی جس سے ۱۸۵۰ء میں ان کو ۱۱۰۰۰ پونڈ کا خسارہ ہوا۔ ان کو اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ ہندستان سے کافی کپاس حاصل کرنے کے بجائے امریکہ کے

گئے وہ تجارت سے بہت کم حاصل کئے گئے تھے۔ تجارت کی اہمیت نسبتاً ختم ہو چکی تھی۔ اس ملک کا براہ راست استحصال کیا جا رہا تھا۔ لوگوں کو جبراً لوٹ کر بے شمار دولت انگلستان روانہ کی جا رہی تھی۔ ۱۸۱۳ء میں جب تجارت کا دروازہ سب کے لئے کھول دیا گیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہندستان کی تجارت تین گنا بڑھ گئی۔ لیکن اتنا ہی نہیں، تجارت کی ساری نوعیت بدل گئی۔ ۱۸۱۳ء تک ہندستان زیادہ تر غیر ممالک کو مال برآمد کیا کرتا تھا۔ اب ہندستان میں باہر سے مال کی درآمد ہونے لگی اور یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ ۱۸۲۳ء میں ہی شرح تبادلہ جو عام طور پر دو شلنگ چھ پنس فی روپیہ تھی، کم ہو کر دو شلنگ کی سطح پر آ گئی۔ ہندستان بہت قدیم زمانے سے ساری دنیا کے لئے سوتی مصنوعات کا کارخانہ تھا۔ لیکن اب وہ انگریزی ریشمی اور سوتی مصنوعات سے بھر گیا۔ اس کی اپنی مصنوعات انگلستان سے خارج کر دی گئی تھیں یا بڑی سخت شرائط پر داخل کی جاتی تھیں۔ لیکن خود اس ملک میں بہت تھوڑے یا نام نہاد محصول کی ادائگی پر انگریزی مصنوعات کا تانتا بندھ گیا اور دیسی کپڑے کی صنعت جس کا کسی زمانے میں اس قدر نام تھا تباہ ہو گئی۔ ۱۷۸۰ء میں برطانوی پیداوار اور مصنوعات کی قیمت ۳۵۶۱۵۲ پونڈ تھی۔ اس سال ۱۵۰۴۱ پونڈ مالیت کا سوتی مال برآمد کیا گیا۔ اشیاء برآمد کی پوری قیمت ۱۲۶۴۸۰۶۱۶ پونڈ تھی۔ اس لئے ہندستان کی تجارت کل غیر ملکی تجارت کا صرف بتیسواں حصہ تھی۔ ۱۸۵۰ء میں انگلستان اور آئرستان سے ....۸۰۲۴ پونڈ کی چیزیں برآمد کی گئیں۔ جن میں ....۵۲۲ پونڈ کی سوتی مصنوعات تھیں جو کل برآمد کا آٹھواں حصہ اور غیر ملکی سوتی تجارت کا چوتھا حصہ تھی۔ اور اب صنعت پارچہ بافی میں برطانیہ کی آبادی کا آٹھواں حصہ کام کر رہا تھا۔ اور اس سے کل قومی آمدنی کا بارہواں حصہ حاصل ہوتا تھا۔ تجارتی بحران کے بعد انگریزی صنعت پارچہ بافی کے مالکوں کے لئے ہندستانی تجارت کی اہمیت بڑھتی گئی۔ ہندستان کا براعظم ان کا سب سے

اور سوئم کے عہد میں بھی اسی قسم کے قوانین بنائے گئے۔ اور جب یہ ہو گیا تو وہی کارخانہ دار بہت "روشن خیال" بن گئے۔ غرضیکہ اٹھارہویں صدی کے بڑے حصے میں انگلستان میں ہندستانی مصنوعات کی درآمد کی غرض یہ تھی کہ انھیں براعظم میں فروخت کیا جائے، خود انگلستان کے بازار میں ان کو لانے کی اجازت نہ تھی۔

پارلیمنٹ کی اس دست اندازی کے علاوہ جس کا مطالبہ گھر کے لالچی کارخانے داروں نے کیا تھا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی سند کی تجدید کا وقت آیا تو لندن، لیور پول اور برسٹل کے سوداگروں نے کوشش کی کہ کمپنی کا تجارتی اجارہ توڑ دیا جائے اور انھیں بھی اس تجارت میں شرکت کی اجازت دی جائے جس کو وہ سچ مچ سونے کا خزانہ سمجھتے تھے۔ ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں ۱۷۹۳ء کے قانون میں جب کمپنی کی سند کی میعاد یکم مارچ ۱۸۱۴ء تک بڑھائی گئی تو برطانوی افراد کو نجی طور پر ہر قسم کی چیزیں انگلستان سے برآمد کرنے اور کمپنی کے ہندستانی ملازمین کو انگلستان میں درآمد کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ لیکن اس رعایت کے ساتھ کئی شرطیں جوڑ دی گئیں۔ جس کی وجہ سے انفرادی تاجروں کو برطانوی ہند کو مال برآمد کرنے کی جو اجازت دی گئی تھی اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو گیا۔ ۱۸۱۳ء میں کمپنی عام تاجروں کے دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکی اور چینی تجارت کو چھوڑ کر ہندستان کی تجارت میں بعض شرائط کے تحت عام مقابلے کی اجازت دیدی گئی۔ ۱۸۳۳ء میں سند کی تجدید کے موقع پر یہ آخری پابندیاں بھی اٹھا دی گئیں۔ اور کمپنی کو تجارت کرنے سے بالکل روک دیا گیا۔ اس کی تجارتی حیثیت ختم کر دی گئی اور ہندستان کے علاقوں سے برطانوی رعایا کو خارج کرنے کا حق اس سے چھین لیا گیا۔

اس دوران میں ہندستان کی تجارت میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہو چکے تھے جن کی بدولت اس سے انگلستان کے مختلف طبقوں کے مفاد کا تعلق بہت بدل گیا تھا۔ اٹھارہویں صدی کی ساری مدت میں ہندستان سے جو خزانے انگلستان لائے

کو واضح کرنا پڑا۔ اس نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ کسی ملک کی اگر کوئی دولت ہوسکتی ہے تو وہ قیمتی دھاتیں ہیں. لیکن اس نے بتایا کہ ایک شرط پر ان کی برآمد کی بلا خطر اجازت دی جاسکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ واصل باقی کا حساب کرنے میں برآمد کرنے والی قوم کا پلہ بھاری ہو۔ اس کا مطلب اس نے یہ بتایا کہ ہندستان سے جن چیزوں کی درآمد ہوتی ہے۔ انھیں زیادہ تر دوسرے ملکوں میں بھیج دیا جاتا ہے، اور ان چیزوں کے لئے جتنا سونا ہندستان بھیجنا پڑتا تھا اس سے کہیں زیادہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے سر جوشوا چائلڈ نے بھی ایک مقالہ لکھ کر ثابت کیا کہ شرق الہند کی تجارت قوم کے لئے سب سے مفید تجارت ہے۔ رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حامیوں کی دلیری بڑھتی گئی اور اس عجیب و غریب تاریخ ہند میں بھی یہ ایک عجوبہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندستانی تجارت کے یہ اجارہ دار انگلستان میں آزاد تجارت کے پہلے علمبردار تھے۔

سترہویں صدی کے بالکل آخر اور اٹھارہویں صدی کے بڑے حصے میں پارلیمنٹ سے پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملے میں مداخلت کرنے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ لیکن یہ تجارتی طبقے نے نہیں بلکہ صنعتی طبقے نے کیا۔ کہا جانے لگا کہ ہندستان سے سوتی اور ریشمی مصنوعات کی درآمد سے انگلستان کے غریب کاریگر تباہ ہوئے جاتے ہیں۔ اس دعوے کی تائید میں ایک کتاب لکھی گئی۔ جس کا نام تھا "انگلستان اور ہندستان کی صنعت کا تضاد" مصنفہ جان پالکس فن۔ لندن ۱۶۹۷ء۔ اس نام کی صداقت ڈیڑھ سو برس بعد عجیب و غریب طریقے سے لیکن ایک بالکل مختلف مفہوم میں ظاہر ہوئی۔ اس وقت پارلیمنٹ نے مداخلت کی۔ دفعہ ۱۱۔ و ۱۲۔ باب ۱۰ قوانین ولیم کے تحت ہندستان، ایران اور چین کی ریشمی مصنوعات، چھینٹ اور رنگین کپڑے پہننے کی ممانعت ہوگئی اور اس کو پاس رکھنے یا بیچنے کے لئے دو سو پونڈ جرمانہ سزا مقرر کی گئی۔ انگریز کارخانہ داروں کی بار بار کی چیخ و پکار کی بدولت جارج اول، دوم

قائم ہو جانے پر بڑے زور شور سے امن کا منافقانہ راگ گانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ اپنی شدید انسانیت دشمنی کا تختۂ مشق بنانے کے لئے ظاہر ہے کہ پہلے اس کو حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کیوں اس سال یعنی ۱۸۵۳ء میں سند کی تجدید کے لئے پچھلے تمام موقعوں کی نسبت ہندستان کے مسئلے کی حیثیت بدل گئی ہے۔

ہم پھر ایک اور نقطۂ نظر سے غور کریں۔ اگر ہم مختلف زمانوں میں ہندستان کے ساتھ برطانیہ کے اہم تجارتی تعلقات پر نظر ڈالیں تو اس عجیب و غریب بحران کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکیں گے جو ہندستان کی قانون سازی میں نمودار ہو گیا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملکہ الزبتھ کے عہد میں جب اپنا کاروبار شروع کیا تو کمپنی کو اجازت دی گئی کہ ہندستان کے ساتھ تجارت میں نفع اٹھانے کی غرض سے ہر سال تیس ہزار پونڈ مالیت کی چاندی، سونا اور غیر ملکی سکے برآمد کر سکتی ہے۔ اس زمانے میں جو غلط خیالات پھیلے ہوئے تھے ان کی یہ صریحی خلاف ورزی تھی۔ ٹامس مون کو مجبوراً انگلستان سے شرق الہند[1] کی تجارت پر ایک مقالہ لکھ کر "تجارتیت[2]" کی بنیاد ڈال

---

[1] اس زمانے میں یورپ کے لوگ ہندستان اور جاوا، سماترا وغیرہ جزیروں کو ملا کر ایک ہی نام یعنی شرق الہند سے یاد کرتے تھے۔

[2] تجارتیت یا مرکنٹائلزم تجارت کا وہ نظریہ ہے جو یورپ میں سترہویں صدی کے آخر تک رائج تھا۔ اس زمانے میں نہ تو صنعتی سرمایہ داری نے جنم لیا تھا اور نہ صحیح معنی میں علم معاشیات کی بنیاد پڑی تھی۔ اس نظریہ کے ماننے والوں کی رائے میں کوئی تجارتی نظام حکومت کے قوانین ضوابط کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اجارہ داری کے حامی تھے اور آزاد تجارت کے مخالف، دولت ان کے خیال میں صرف چاندی اور سونے کا نام تھا اور اس لئے تجارت کی غرض محض یہ تھی کہ باہر سامان بھیج کر غیر ملکوں سے سونا اور چاندی حاصل کیا جائے۔

کے دوسرے دہ سالے میں پہلی مرتبہ ایک مناسب سرحد یعنی ہندستان کا ریگستانی علاقہ فتح ہوگیا۔ اس وقت تک مشرق میں سلطنت برطانیہ ایشیا کے ان حصوں تک نہیں پہونچی تھی جو ہر زمانے میں ہندستان کی ہر بڑی مرکزی حکومت کا دارالخلافہ رہے تھے لیکن ابھی تک سلطنت کا سب سے غیر محفوظ علاقہ جس سے ہوکر بار بار نئے فاتح پرانے فاتحوں کو بے دخل اور سارے ملک کو تاخت وتاراج کرتے تھے، یعنی مغربی سرحد کی دشوار گذار پہاڑیاں، انگریزوں کے ہاتھ میں نہیں تھیں۔ لیکن ۱۸۳۹ء سے ۱۸۴۹ء تک برطانوی حکومت نے سکھوں کی لڑائی اور افغانوں کی لڑائی میں پنجاب اور سندھ کا زبردستی الحاق کرکے براعظم ہند کی نسلی، سیاسی اور فوجی سرحدوں کو قطعی طور پر اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا۔ وسط ایشیا سے آنے والے حملہ آوروں کو پسپا کرنے اور روس کو ایران کی سرحدوں تک بڑھنے سے روکنے کے لئے ان علاقوں پر قبضہ کرنا بہت ضروری تھا۔ ان پچھلے دس برسوں میں برطانوی ہند میں مزید ۱۶۷۰۰۰ مربع میل علاقہ شامل کرلیا گیا ہے۔ جس کی آبادی پچاس لاکھ بہتر ہزار چھ سو بیس نفوس پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اندرون ملک کا سوال ہے تمام دیسی ریاستیں ہر طرف برطانوی مقبوضات سے گھر گئی ہیں اور مختلف حیثیتوں سے برطانیہ کے زیر اقتدار ہیں۔ گجرات اور سندھ کے علاوہ اوروں کا ساحل سمندر تک آنے کا راستہ بھی بند ہے۔ بیرونی اعتبار سے ہندستان اب ختم ہوگیا۔ ۱۸۴۹ء کے بعد سے ایک وسیع ہند انگریزی سلطنت وجود میں آچکی ہے۔

اسی طرح برطانوی حکومت دو سو سال سے کمپنی کے نام پر جنگ کرتی رہی حتیٰ کہ اس نے ہندستان کے قدرتی حدود تک سارا علاقہ فتح کرلیا۔ اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں اتنے دنوں تک انگلستان کی ہر پارٹی نے اس سے چشم پوشی اور سکوت اختیار کیا تھا۔ اور اس میں وہ پارٹیاں بھی شامل ہوئیں جنھوں نے ہندستان میں برطانوی سلطنت

بعد کوئی بڑی سیاسی اہمیت حاصل نہ کرسکا۔ اس زمانہ کے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنی ہستی اور اہمیت قائم کرنی تھی۔ اور اس کے بعد چند سری حکومت نے ان تمام اختیارات کو جن سے ذمہ داری میں کوئی اضافہ نہ ہوا اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور پھر اس کے بعد ۱۸۱۳ء اور ۱۸۳۳ء میں جب سند کی تجدید کرنے کا وقت آیا تو عام طور پر اہل انگلستان کی توجہ دوسرے مسائل کی طرف تھی جن کی اہمیت ان کے لئے بہت زیادہ تھی۔

اب ہم ایک اور نقطۂ نظر سے غور کریں گے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتدا میں صرف اپنے کارندوں کے لئے کارخانے اور اپنے مال کو حفاظت سے رکھنے کے لئے گودام بنانے کی کوشش کی تھی۔ ان کی حفاظت کی غرض سے انھوں نے کئی قلعے تعمیر کئے، ہندستان میں سلطنت قائم کرنے اور سلطنت کی سالانہ آمدنی کو بھی منافع کا ایک ذریعہ بنانے کا خیال ۱۶۸۹ء میں ہی ان کے دل میں پیدا ہوچکا تھا لیکن ۱۷۴۴ء تک ان کو صرف بمبئی، مدراس اور کلکتہ کے آس پاس چند اضلاع ملے تھے، جن کی کچھ بہت اہمیت نہیں تھی۔ آگے چل کر کرناٹک میں جنگ شروع ہوئی جس کی بدولت متعدد لڑائیوں میں حصہ لینے کے بعد وہ ہندستان کے اس علاقہ کے فرماں روا بن گئے۔ بنگال کی جنگ اور کلائیو کی فتوحات سے اور بھی مہتم بالشان نتیجے حاصل ہوتے، بنگال، بہار اور اڑلیسہ پر صحیح معنی میں قبضہ ہوگیا، اٹھارہویں صدی کے آخری اور انیسویں کے ابتدائی سالوں میں ٹیپو سلطان سے جنگیں ہوئیں جن کی بدولت طاقت میں اور باج گذار ریاستوں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہوا۔ انیسویں صدی کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۰) گری سے فائدہ اٹھایا۔ دوسرے خود مزدوروں کو کچھ نہیں ملا۔ اس قانون کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ زمینداروں نے درمیانی طبقے کی جماعتوں کو سیاسی اقتدار میں اپنا شریک کرلیا۔

اصلاح[ے] نے جو ابھی ابھی منظور ہوا تھا تمام دوسرے سیاسی مسائل کو پس پشت ڈال دیا.
پس یہ پہلی وجہ ہے کہ ہندستان کا مسئلہ ۱۸۳۲ء سے پہلے اور اس کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۹) بعد ۱۸۱۴ء تک جاری رہی تھی ___ جیکوبن نچلے درمیانی طبقے کے ایک انقلابی گروہ کا نام تھا جو انقلاب فرانس کے دوسرے دور میں یعنی ۱۷۹۲ء کے بعد برسر اقتدار آیا تھا. انھوں نے فرانس کو ری پبلک یعنی جمہوریہ کا اعلان کر دیا اور انقلاب کے دشمنوں کو کچلنے کے لئے بڑی سخت تدبیریں اختیار کیں. اس سے سارے یورپ اور خصوصًا انگلستان میں تہلکہ مچ گیا، اور طبقہ امرا پر جیکوبن دشمنی کا بھوت سوار ہو گیا جیکوبن دشمنی کے نام پر انھوں نے خود انگلستان میں تمام ترقی پسند رجحانات کو کچلنے کی کوشش کی. اور بالآخر انقلاب فرانس کے بڑھتے ہوئے اثرات سے ڈر کر ۱۷۹۳ء میں فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا.

[ے] ۱۸۳۱ء میں وِھگ جماعت کے لوگ ایک مدّت کے انتظار کے بعد برسر اقتدار آئے. آتے ہی انھوں نے پارلیمنٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کر دیا جس طریق انتخاب میں کئی تبدیلیاں کی گئی تھیں اور حق رائے دہندگی کچھ زیادہ لوگوں کو دیا گیا تھا. دارالعوام نے آٹھ ووٹوں کی اکثریت سے اسے نامنظور کر دیا. اس پر وزیر اعظم لارڈ گرے نے پارلیمنٹ برخواست کر دی اور نئے انتخابات کی تیاری شروع کی. اس بار دارالعوام میں قانون اصلاح کے حامیوں کی زبردست اکثریت ہو گئی. دارالامراء نے قانون منظور نہیں ہونے دیا ان کی اس حرکت سے ملک بھر میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی. مزدوروں کے بڑے بڑے جلسے اور مظاہرے ہوئے. لوگوں نے کئی سرکاری عمارتوں میں آگ لگا دی. اس وقت انگلستان میں باقاعدہ پولیس کا رواج نہیں تھا اور فوج بہت تھوڑی تھی. بالآخر دارالامرا کو عوام کے سامنے جھکنا پڑا. اور یہ قانون ۱۸۳۲ء میں پاس ہوا. مگر مزدوروں کی اس سر

گئی۔ پٹ نے دارالعوام اور دارالامراء دونوں جگہ سے ۱۷۸۴ء میں ایک قانون منظور کرایا جس میں مجلس نگرانی قائم کرنے کی ہدایت تھی۔ جو پریوی کونسل کے چھ ممبروں پر مشتمل ہو اور "ان تمام اعمال، کارروائیوں اور معاملات کی جانچ پرتال" انتظام اور نگرانی کرے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقے اور مقبوضات کے ملکی یا فوجی نظم و نسق یا سرکاری آمدنی سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔" اس مسئلے پر مورخ مل کہتا ہے:۔

"اس مسودہ قانون کو منظور کرنے میں دو مقصد پیش نظر تھے، مسٹر فاکس کے مسودہ قانون کی طرف جو نفرت انگیز مقصد منسوب کیا گیا تھا اس سے دامن کو پاک رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اختیارات کا بڑا حصہ بظاہر کمپنی کے ڈائرکٹروں کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے۔ مگر قلمدان وزارت کے حق میں ضرورت اس کی تھی کہ حقیقت میں اختیار ان کے ہاتھ سے لے لیا جائے۔ اپنے حریف سے مسٹر پٹ کے مسودہ قانون کا فرق اسی بات میں مضمر تھا کہ جہاں ایک نے ڈائرکٹروں کے اختیارات کو ختم کرنا چاہا وہاں دوسرے نے انہیں بدستور قائم رہنے دیا۔ مسٹر فاکس کے قانون کی رو سے اختیارات علانیہ وزیروں کے ہاتھ میں ہوتے۔ مسٹر پٹ کے قانون نے بھی یہی کیا۔ مگر خفیہ طریقے سے اور دغابازی سے۔ مسٹر فاکس کے مسودہ قانون نے کمپنی کے اختیارات کو ان کمشنروں کے ہاتھ میں منتقل کرنا چاہا جن کو پارلیمنٹ مقرر کرے۔ مسٹر پٹ کے مسودہ قانون نے انہیں ان کمشنروں کے ہاتھ میں منتقل کیا جن کو بادشاہ مقرر کرے۔"

غرض کہ ۱۷۸۳ء اور ۱۷۸۴ء میں پہلی بار اور ابھی تک آخری بار ہندستان کے مسئلے نے وزارتی مسئلے کی صورت اختیار کی۔ مسٹر پٹ کے مسودہ قانون کے منظور ہوتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کو نئی سند عطا کردی گئی۔ اور ہندستان کا مسئلہ بیس سال کے لئے بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ لیکن ۱۸۱۳ء میں جیکوبن[1] دشمن جنگ نے اور ۱۸۳۳ء میں مسودہ قانون

---

[1] اس سے مراد فرانس اور انگلستان کی وہ جنگ ہے جو ۱۷۹۳ء سے شروع ہو کر کئی وقفوں کے

میں انگریزوں کی نو آبادیاں ہاتھ سے نکل گئیں[۴]۔ اور کسی دوسری نو آبادی میں ایک بڑی سلطنت قائم کرنے کا ایک عام احساس لوگوں میں روز بڑھتا گیا۔ مشہور و معروف مسٹر فاکس نے سوچا کہ موقع مناسب ہے اور ۱۷۸۳ء میں اپنا مشہور مسودہ قانون ہند پیش کر دیا۔ اس میں تجویز کی گئی تھی کہ منتظمین و مالکان کمپنی کی مجلس توڑ دی جائے اور حکومت ہند کے سارے اختیارات سات کمشنروں کو سونپ دئے جائیں۔ جن کو پارلیمنٹ مقرر کرے گی۔ دارالامراء پر ضعیف العقل[۵] بادشاہ کے ذاتی اثر سے کام لے کر مسٹر فاکس کا مسودہ مسترد کر دیا گیا اور اسی حربے سے فاکس اور لارڈ نارتھ کی اس وقت کی مشترکہ حکومت بھی توڑ دی گئی اور عنان حکومت شہرۂ آفاق پٹ کے ہاتھ میں دی

۴ـ اس زمانہ میں شمالی امریکہ کے تین ہزار میل لمبے ساحل پر متعدد نو آبادیاں انگریزوں کے قبضہ میں تھیں۔ مگر نو آبادیات کے رہنے والوں میں اور برطانوی حکومت میں ہمیشہ کسی نہ کسی بات پر تکرار ہوتی رہتی تھی۔ نو آبادیات برطانیہ کے تسلط سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ ۱۷۷۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی حالت سدھارنے کی غرض سے برطانوی حکومت نے طے کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی چاء پر امریکی نو آبادیوں میں محصول درآمد نہ لیا جائے۔ مگر لوگوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور کمپنی کی چاء سمندر میں پھینک دی۔ اور جب ان کو دبانے کے لئے انگریزی حکومت نے فوج بھیجی تو تیرہ نو آبادیوں نے مل کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ ۱۷۷۵ء میں لکسنگ ٹن کے مقام پر آزادی کی جنگ چھیڑ دی۔ یہ جنگ ۱۷۸۳ء تک جاری رہی۔ انگریز ہار گئے اور تیرہ امریکی جمہوریتیں جو اب ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے نام سے مشہور ہیں آزاد ہو گئیں۔ کینیڈا نے جس کے باشندے زیادہ تر فرانسیسی نسل کے تھے، انگریزی حکومت کا ساتھ دیا۔ اور اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔

۵ـ اشارہ شاہ جارج سوم کی طرف ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ نیم دیوانہ تھا۔

طاقت کا دار و مدار تجارت پر نہیں فوج اور ملک گیری پر تھا، اسی وقت سے مشرق میں موجودہ سلطنت برطانیہ کی داغ بیل پڑی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمسکات کی قیمت ۲۶۳ پونڈ تک پہونچ گئی، اور ساڑھے بارہ فی صدی کی شرح سے منافع تقسیم کیا گیا۔ لیکن اس وقت کمپنی کے ایک نئے دشمن نے کسی مخالف کمپنی کی صورت میں نہیں بلکہ مخالف وزرا اور مخالف عوام کی صورت میں سر اٹھایا ــــــ کہا جانے لگا کہ کمپنی نے اپنا علاقہ برطانیہ کے جہازی بیڑے اور برطانیہ کی فوجوں کی مدد سے فتح کیا تھا۔ اور یہ کہ برطانوی رعایا کسی علاقے پر تاج برطانیہ سے آزاد ہو کر حکومت نہیں کر سکتی۔ اس زمانہ کے وزرا اور اس زمانے کے عوام نے اس "پُراسرار خزانے" سے جوان کے خیال میں پچھلی فتوحات میں جیتا گیا تھا اپنے حصوں کا مطالبہ کیا۔ کمپنی نے کسی طرح زندگی بچانے کے لئے سنہ ۱۷۶۹ء میں ایک اقرار نامہ لکھ کر قومی خزانے میں ہر سال ۴ لاکھ پونڈ ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔

لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی اس اقرار نامے پر عمل کرنے کے بجائے مالی مشکلات میں پھنس گئی اور انگریز قوم کو خراج ادا کرنے کے بجائے اس نے پارلیمنٹ سے مالی امداد کی درخواست کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سند میں بڑی اہم تبدیلیاں کر دی گئیں۔ حالات بدل گئے مگر کمپنی کے معاملات راہ راست پر نہیں آسکے۔ ادھر اسی زمانے میں شمالی امریکہ

(نوٹ صفحہ ۵۶) ہفت سالہ جنگ میں ایک طرف انگریز اور پروشیا (یعنی جرمنی) اور دوسری طرف فرانس اور آسٹریا سنہ ۱۷۵۶ء سے سنہ ۱۷۶۳ء تک ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ دنیا کے جس کونے میں بھی انگریز اور فرانسیسی دونوں موجود تھے وہاں یہ جنگ شروع ہوئی، حتیٰ کہ ہندستان بھی اس کے اثر سے بچا نہیں رہا فرانس کو اس جنگ میں شکست ہوئی اور اسے ہندستان اور امریکہ میں انگریزوں کے لئے میدان خالی کر دینا پڑا۔

جیت ہوئی، عین اسی وقت عوام الناس کے خلاف رجعت نے کھلے بندوں سر اٹھایا اور اس واقعہ سے کابٹ کی طرح کئی مصنف، جو عوام کا دم بھرتے تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ جمہور کی آزادی کے لئے مستقبل کے بجائے ماضی کا منھ دیکھنے لگے۔

دستوری بادشاہت اور اجارہ پرست زردار طبقہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور ۱۶۸۸ء کے زرین انقلاب میں، میل ملاپ کا بیج اسی قوت نے بویا ہے جو ہر زمانے اور ہر ملک میں روشن خیال جماعتوں کو روشن خیال بادشاہوں سے ملاتی اور متحد کرتی رہی ہے۔ یہ قوت رشوت ستانی میں ہے جو دستوری بادشاہت کی پہلی اور آخری روح رواں ہے۔ جو شاہ ولیم سوئم کے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی اور لوئی فلپ کے لئے زہریلا ناگ۔ ۱۶۹۳ء میں ہی پارلیمانی تحقیقات میں یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ ارباب اختیار کو "پیش کش" کے زمرے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سالانہ اخراجات جو انقلاب سے پہلے بارہ سو پونڈ بھی نہ ہوں گے اب نوے ہزار پونڈ تک پہنچ چکے ہیں۔ پانچ ہزار پونڈ رشوت لینے کے الزام میں لیڈز کے ڈیوک کا مواخذہ ہوا تھا اور خود بادشاہ سلامت پر دس ہزار پونڈ لینے کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ یہ تو براہ راست رشوت تھی، اس کے علاوہ دوسری مخالف کمپنیوں کو راستہ سے ہٹانے کی خاطر حکومت کو کم سے کم سود پر قرض میں بڑی رقمیں دینے کی لالچ دی گئی۔ اور مخالف کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کو رشوت دے کر توڑ لیا گیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنک آف انگلینڈ کی طرح حکومت کو رشوت دیکر جو اختیارات حاصل کئے ان کو قائم رکھنے کیلئے بھی بنک آف انگلینڈ کی طرح پھر رشوت دینی پڑی۔ ہر عہد میں جب اس کا اجارہ ختم ہونے کا وقت آیا تو اپنی سند کی تجدید کرانے کے لئے حکومت کو نئے قرضے اور نئے نذرانے پیش کرنے پڑے۔

ہفت سالہ جنگ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی کایا پلٹ کردی۔ اب اس کی

سے وجود کو تسلیم کیا۔ ظاہری آزادی کا وہ دور حقیقت میں اجارہ داریوں کا دور تھا۔ مگر یہ اجارے ملکۂ ایلزبتھ اور شاہ چارلس اول کے زمانہ کی طرح فرمان شاہی کے ذریعہ وجود میں نہیں آئے تھے بلکہ پارلیمنٹ کی منظوری نے انھیں اختیار اور قومی رنگ عطا کیا تھا۔ تاریخ انگلستان کے اس عہد کو فرانس کے شاہ لوئی فلپ[1] کے عہد سے بڑی مشابہت ہے۔ پرانی زمیندار اشرافیہ ہتھیار ڈال چکی تھی اور متوسط درجے کے سرمایہ دار طبقے میں اکیلے یہ قدرت نہیں تھی کہ ارباب زر یا بڑے ساہوکاروں کے پرچم تلے آئے بغیر اس اشرافیہ کی جگہ لے سکیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے عوام الناس کو ہندستان کی تجارت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دارالعوام نے بھی عوام کو پارلیمنٹ میں نمائندگی کا حق نہیں دیا تھا۔ اس کے علاوہ کئی اور شائوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت جاگیری اشرافیہ پر سرمایہ دار طبقے کی

---

[1] نپولین اعظم کی شکست کے بعد ۱۸۱۴ء میں انگلستان اور آسٹریا کی حکومتوں نے فرانس میں دوبارہ جاگیرداری اشرافیہ کا رواج قائم کیا اور پرانے شاہی خاندان کے ایک رکن کو تخت پر بٹھایا۔ ۱۸۳۰ء میں فرانس میں پھر ایک انقلاب آیا جس میں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا اور بڑے بڑے سرمایہ دار برسر اقتدار آ گئے۔ انھوں نے دستوری بادشاہت قائم کی یعنی ایسی بادشاہت جو سرمایہ داروں کی پارلیمنٹ کے تابع تھی۔ دستوری بادشاہت کی گدی پر بٹھانے کے لئے ان سرمایہ داروں نے لوئی فلپ کو منتخب کیا۔ لوئی فلپ ۱۸۳۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بن آئی۔ ہر طرف ساہوکاری، منافع خوری اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہوا۔ ان معاملوں میں خود بادشاہ کا بھی بڑا حصہ ہوا کرتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے لوگوں نے بادشاہ کو بنیوں کا سردار کہنا شروع کیا۔ ان بنیوں نے ملک فرانس میں ایسی لوٹ کھسوٹ مچائی کہ لوگ تنگ آ گئے۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب نے لوئی فلپ کی دستوری بادشاہت کا بھی خاتمہ کر دیا اور فرانس میں بنا بادشاہ کی جمہوریت قائم کی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

اُس کی تاریخ اور نتیجے[1]

لارڈ اسٹینلی نے تجویز پیش کی ہے کہ سرِ دست ہندستان کے لئے کوئی قانون نہ بنایا جائے۔ اس پر مباحثہ آج شام تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ ۱۷۸۳ء کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ انگلستان میں مجلس وزارت بھی ہندستان کے مسئلے میں اُلجھ گئی ہے اس کی وجہ ۱۷۰۲ء سے پہلے صحیح معنوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اسی سال مختلف جماعتیں جن میں ہر ایک کو دعویٰ تھا کہ ہندستان سے تجارت کرنے کا اجارہ صرف اسی کو حاصل ہے، ایک کمپنی میں متحد ہو گئیں۔ اس کے پہلے تو ابتدائی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وجود بھی کئی بار معرضِ خطر میں پڑ چکا تھا۔ آلیور کرامول کے زمانہ ولایت میں کمپنی کئی سال کے لئے بند ہو گئی تھی اور ولیم سویم کے عہد میں یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ کہیں پارلیمنٹ کی مداخلت سے کمپنی ہمیشہ کے لئے توڑ نہ دی جائے۔ اس ولندیزی بادشاہ کے عہد اقتدار میں جب وہگ جماعت برطانیہ کی آمدنی کے تحصیلدار بن گئی، بینک آف انگلینڈ کا قیام عمل میں آیا، انگلستان میں حفاظتی محصول کا نظام باقاعدہ طور سے جاری کیا گیا۔ اور یورپ میں توازن قوت کا مسئلہ حل ہو گیا، تب کہیں پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی

---

[1] یہ مقالہ نیویارک ٹریبیون مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا تھا۔

"کسی پارٹی کا ایسے جوڑ توڑ کرنا اور کام میں مزاحم ہونا حد درجہ شرمناک ہے۔ اس سے تفرقہ پردازی کی بو آتی ہے۔

"یہ تجویز صرف اسی لئے پیش ہو رہی ہے کہ وزارت کے بعض حامیوں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اس مرتبہ اپنے رفیقوں سے الگ راستہ اختیار کریں گے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ وزیروں کی پریشانی واقعی بہت بڑھ گئی ہے۔ آج کے کرانیکل نے پھر اس موضوع پر لکھا ہے:۔

"لارڈ اسٹینلی کی تجویز پر جو تقسیم رائے ہوگی اس سے موجودہ قانون ہند کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ جو لوگ جلد از جلد قانون بنانے کی اہمیت محسوس کرتے ہیں وہ حکومت کا ہاتھ مضبوط کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔"

اس کے برخلاف آج کل ٹائمس لکھتا ہے کہ:۔

"حکومت ہند کے مسودہ قانون کا حشر اب صاف نظر آرہا ہے۔ حکومت کے لئے اصل خطرہ یہ ہے کہ رائے عامہ جن نتیجوں پر پہنچی ہے وہ لارڈ اسٹینلی کے اعتراضات سے ملتے جلتے ہیں۔ اس ترمیم کے ہر ہر لفظ سے وزارت پر کاری ضرب پہونچے گی۔"

میں ایک دوسرے مقالے میں یہ بتاؤں گا کہ برطانیہ کی مختلف پارٹیوں کا ہندستان کے مسئلے سے کیا تعلق ہے۔ اور ہندستانیوں کی حالت سدھارنے کے لئے اشرافیہ، ارباب زر، اور مالکان کارخانہ میں جو نزاع چھڑی ہے اس سے بیچارے ہندستانی کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

بشپ بھیجنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ جب اس تجویز سے سب لوگوں نے اتفاق کیا تو فوراً ہی سرجاب ہاؤس کو جو اس زمانہ میں مجلس نگرانی کے صدر تھے ایک نئی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ ان کے ایک عزیز میں بھی بشپ بننے کی بڑی اعلیٰ صلاحیتیں موجود ہیں۔ چنانچہ ان نئے عہدوں میں سے ایک پر اس کا تقرر کر دیا گیا۔ ایک انگریز مصنف کا قول ہے کہ "بعض صورتوں میں جوتا پیر میں اتنا ٹھیک اترتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جوتا پیر کے لئے بنایا گیا تھا یا پیر جوتے کے لئے۔" یہی حال سرچارلس اُڈ کی اس نئی ایجاد کا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندستان کے نئے صوبوں کے لئے نئے گورنر بنائے جا رہے ہیں یا نئے گورنروں کے لئے نئے صوبے۔

بہرکیف مشترکہ وزارت کا خیال تھا کہ اپنے مجوزہ قانون کو بدلنے کا اختیار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں چھوڑ کر اس نے تمام شکایتوں کا ازالہ کر دیا۔ بدنصیبی یہ کہ ایسے وقت میں ایک ٹوری لارڈ اسٹینلی اپنی تجویز لئے سامنے آ گئے۔ اور جب اس کا اعلان ہوا تو "ترقی پسند مخالفوں" نے بھی تالیوں سے اس کا خیر مقدم کیا۔ لیکن لارڈ اسٹینلی کی تجویز میں متضاد باتیں بھری ہوئی ہیں۔ ایک طرف وہ وزارتی تجویز کی مخالفت کرتے ہیں کیوں کہ مستقل قانون بنانے کے لئے پارلیمنٹ کو زیادہ معلومات حاصل ہونا چاہئے۔ دوسری طرف وہ اس کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ کوئی مستقل قانون ہی نہیں۔ قدامت پسندوں کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ اس مسودہ قانون کی بدولت موجودہ صورت حال بدل جائے گی۔ اور ترقی پسند اس لئے مخالف ہیں کہ اس سے موجودہ صورت حال جوں کی توں قائم رہ جائے گی۔ آج کل یک جہتی کا زمانہ ہے چنانچہ لارڈ اسٹینلی نے ایسی تجویز تیار کی جس میں وزارتی تجویز کے خلاف ان دونوں مخالف رایوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ مشترکہ وزارت نے دیانت داری کے انداز میں ایسی چالبازیوں پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور اس کا جغرافیکل لکھتا ہے:۔

ہیں، موجودہ ارباب حکومت کی خواہش یہ ہے کہ نئے انتخابات کے بعد دارالعوام کا جو اجلاس ہوگا، اس کے پہلے ہی پہلے ہندستان کے بل پر بیس برس کے لئے اپنی بھلائی کا بندوبست کرلیں۔ مانچسٹر والے چاہتے ہیں کہ نئے انتخابات سے پہلے پارلیمنٹ میں کوئی نیا قانون نہ بنے، کیونکہ آج ان کو اپنے لئے کامیابی کی کوئی امید نہیں۔ اور اب ایسی صورت میں سر چارلس اُڈ اپنے تمام پچھلے بیانات کے برخلاف ایک ایسی چیز سامنے لے آئے ہیں جو دیکھنے میں قانون سازی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اپنی عادت کے مطابق اس میں وہ تمام مشکلوں سے پہلو بچا گئے ہیں، وہ یہ ہمت نہ کرسکے کہ کسی خاص مدت کے لئے سند کی تجدید کرنے کی تجویز پیش کریں بلکہ انھوں نے ایسا بندوبست کیا ہے جسے پارلیمنٹ جب چاہے تبدیل کرسکتی ہے۔ اگر وزارتی تجویزیں منظور کرلی جائیں تو ایسٹ انڈیا کی سند کی تجدید نہیں ہوگی بلکہ اس کی زندگی امید و بیم کی حالت میں پڑ جائے گی۔ اس کے علاوہ دوسرے پہلوؤں سے دیکھئے تو وزارتی تجویز سے حکومت ہند کے دستور میں محض ظاہری تبدیلی ہوتی ہے۔ جدت صرف یہ ہے کہ چند نئے گورنروں کا اضافہ کیا گیا ہے حالانکہ تجربہ بتاتا ہے کہ ہندستان کے جن علاقوں پر معمولی کمشنروں کی حکومت ہے وہاں کا نظم و نسق گورنروں اور ان کی کونسلوں کی فضول خرچ حکومت سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ افلاس زدہ ملکوں کی حالت سدھارنے کا وِھگ جماعت نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اپنے اشرافیہ کے بھک منگوں کو بے کام کے عہدے دیکر ان ملکوں کا بوجھ اور بڑھا دیا جائے۔ اس سلسلے میں سَل حکومت کی بات یاد آجاتی ہے۔ اس وقت وِھگ جماعت کو یکایک یہ خیال آیا کہ ہندستان کے ہندو اور مسلمان روحانیت کی نعمتوں سے بالکل محروم ہیں، ہندستانیوں کی اس محرومی پر ان کا دل بھر آیا۔ چنانچہ انھوں نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور چند نئے بشپ (یعنی اونچے درجے کے عیسائی پادری) اس ملک میں بھیج دئے۔ ٹوریوں[1] نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی ایک سے زیادہ

---

[1] ٹوری یعنی انیسویں صدی میں انگلستان کی قدامت پسند جماعت

مسودہ قانون ہند[1] (ج)

اصلاح کی حقیقت

۱۳ر جون کو لارڈ اسٹین لے نے دارالعوام میں یہ اطلاع دی کہ مسودہ قانون ہند کی دوسری پیشی (۲۳ر جون) کے بعد وہ حسب ذیل تجویز پیش کریں گے۔

"دارالعوام کی رائے میں ہندستان کی مستقل حکومت کے متعلق خاطر خواہ قانون بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پارلیمنٹ کو مزید معلومات حاصل ہوں، اور اب اجلاس کے آخری دنوں میں ایک ایسی تجویز پیش کرنا کسی طرح مناسب نہیں جو اگر ایک طرف موجودہ انتظام کو درہم برہم کر دیتی ہے تو دوسری طرف خود کوئی مستقل انتظام بھی نہیں کرتی۔"

اپریل ۱۸۵۴ء میں اب ایسٹ انڈیا کمپنی کی سند کی میعاد پوری ہو جائے گی۔ اس لئے کچھ نہ کچھ تو اس کے متعلق کرنا ہی ہوگا۔ حکومت مستقل قانون بنانا یعنی مزید بیس برسوں کے لئے سند کی تجدید کرنا چاہتی ہے۔ مانچسٹر گروہ کے لوگ اس مسئلہ پر تمام قانونوں کو ملتوی کرنے کے حق میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ سند کو زیادہ سے زیادہ ایک سال کی توسیع دی جائے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ مستقل قانون بنانا ضروری ہے کیونکہ ہندستان کی "بھلائی" اسی میں ہے۔ مانچسٹر والوں کا کہنا ہے کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ ضروری معلومات نہیں ملی ہیں۔ ہندستان کی "بھلائی" اور معلومات کی کمی دونوں ہی جھوٹے بہانے

---

[1] مطبوعہ نیویارک ڈیلی ٹریبون مورخہ یکم جولائی ۱۸۵۳ء

سنہ ۱۸۵۰/۵۱ء	۲۰۲۳۹۹۳۲ پونڈ	}	تین سال میں آمدنی میں کمی :۔ ۳۴۹۷۲۹ پونڈ
سنہ ۱۸۵۱/۵۲ء	۱۹۹۲۷۰۳۹ "		

کل اخراجات :۔

سنہ ۱۸۴۹/۵۰ء	۱۶۶۸۷۳۸۲ پونڈ	}	
سنہ ۱۸۵۰/۵۱ء	۱۷۱۷۰۷۰۷ "		تین سال میں اخراجات میں اضافہ :۔ ۱۲۱۳۲۸۴ پونڈ
سنہ ۱۸۵۱/۵۲ء	۱۷۹۰۱۶۶۶ "		

زمین کا لگان

بنگال میں پچھلے چار برس میں ۳۵۰۰۰۰۰ پونڈ سے ۳۵۶۰۰۰۰ پونڈ تک کمی بیشی ہوتی رہی۔

شمالی مغربی اضلاع	۳۸۷۰۰۰۰	"	۴۹۹۰۰۰۰	"	"	"
مدراس	۳۶۴۰۰۰۰	"	۳۴۷۰۰۰۰	"	"	"
بمبئی	۲۲۴۰۰۰۰	"	۲۳۰۰۰۰۰	"	"	"

سنہ ۱۸۵۱/۵۲ء مجموعی آمدنی جس میں خرچہ بھی شامل ہے :۔

بنگال ۱۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ

مدراس ۵۰۰۰۰۰۰ "

بمبئی ۴۳۰۰۰۰۰ "

سنہ ۱۸۵۱/۵۲ء میں رفاہ عامہ کے اخراجات :۔

بنگال ۸۷۸۰۰ پونڈ

مدراس ۲۰۰۰۰ "

بمبئی ۵۸۵۹۰ "

ایک کروڑ ترانوے لاکھ پونڈ کی کل آمدنی میں سے صرف ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار تین سو نوے پونڈ سڑک، نہر اور پل وغیرہ جیسے رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کئے گئے ہیں۔

صدر کو ایک ہزار پونڈ ملا کرے۔

۳۔ ہندستان کی سول سروس کی تمام معمولی آسامیاں اور فوج میں ماہرین سائنس کے تمام عہدے، عام مقابلے سے پورے کئے جائیں اور سواروں کے دستے میں امیدواروں کو نامزد کرنے کا حق ڈائرکٹروں کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

۴۔ گورنر جنرل اور بنگال کے گورنر کے عہدے الگ الگ کر دیئے جائیں اور حکومت عالیہ کو یہ اختیار دیا جائے کہ دریائے سندھ کے آس پاس کے ضلعوں کو ملا کر ایک نئی پریذیڈنسی قائم کرے۔

۵۔ یہ پورا قانون اسی وقت تک جاری رہے گا جب تک پارلیمنٹ کوئی دوسرا قانون نہ بنائے۔

مسٹر برائٹ نے سر چارلس کی تقریر اور تجویزوں پر بڑے طنز کے ساتھ نکتہ چینی کی۔ کمپنی نے سرکاری مال گذاری کے ذریعہ کس طرح ہندستان کو لوٹا اور تباہ کیا اس کا انھوں نے بڑا موثر نقشہ کھینچا۔ مگر ظاہر ہے ان کے بیان میں اس بات کا کوئی ذکر نہ تھا کہ مانچسٹر اور اس کی آزاد تجارت نے بھی ہندستان کو تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ کل رات ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرانے کارکن (ڈائرکٹر یا سابق ڈائرکٹر) سر جے ہاف نے بھی ایک تقریر کی تھی۔ اس تقریر کو سن کر مجھے خیال ہوا کہ سنہ ۱۷۰۱ء، سنہ ۱۷۳۰ء، سنہ ۱۷۴۳ء، سنہ ۱۷۶۶ء، سنہ ۱۷۷۲ء، سنہ ۱۷۸۱ء، سنہ ۱۷۸۳ء، سنہ ۱۷۸۴ء، سنہ ۱۷۹۳ء، سنہ ۱۸۱۳ء وغیرہ میں بھی بالکل اسی طرح کی تقریریں کی گئی تھیں، اس گرگ باراں دیدہ کی ڈائرکٹرانہ مدح سرائیوں کے جواب میں میری خواہش ہوتی ہے کہ ہندستان کے سالانہ حساب سے چند اعداد و شمار پیش کروں جو شاید اسی کی نگرانی میں مرتب کئے گئے تھے:۔

ہندستان کی کل آمدنی

سنہ ۱۸۴۹ء/۵۰   ۲۰۲۷۵۸۲۱ پونڈ

ہوچکا تھا، اور گورنر جنرل نے مناسب یہی سمجھا کہ اس قانون کو ایک تیسرے انگریز قانون داں کے سپرد کیا جائے۔ اور یہ قانون داں ہندستانیوں کی عادات اور رسم و رواج سے بالکل ناواقف تھا۔ اس نااہل قانون داں نے اپنے دماغ سے جو قانون گھڑا، اسے گورنر جنرل نے اپنے ذاتی اختیار سے کام لے کر مسترد کر دیا مختصراً یہ ہے اس قانون کی روئداد جو ابھی تک دنیا کے سامنے نہیں آنے پایا ہے۔ اور جہاں تک ہندستان میں قانون کی فنی لغویات کا سوال تھا تو چارلس اس کے جواب میں انگلستان کے قانون کی فنی باریکیوں کو پیش کرتے ہیں جو لغویت میں ان سے کسی طرح کم نہیں۔ ہندستان میں آج کل جو انگریز جج ہیں ان کی پاک دامنی پر سر چارلس نے بہت زور دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان کو نامزد کرنے کا طریقہ بدل کر موجودہ ججوں کو قربان کرنے پر تیار ہیں۔ ہندستان نے عام طور پر جو ترقی کی ہے اس کے ثبوت میں دہلی کی موجودہ حالت کا موازنہ اس وقت کی حالت سے کیا گیا جب قلی خاں نے اس پر چڑھائی کی تھی۔ نمک پر جو محصول لگایا ہے اس کے حق میں بھی ایک دلیل دی گئی ہے۔ معاشیات کے تمام ماہرین یہ کہتے آئے ہیں کہ روزمرہ کی ضرورت کی کسی چیز پر محصول عائد نہ کرنا چاہیے۔ لیکن سر چارلس نے یہ نہیں بتایا کہ وہی ماہرین معاشیات یہ دیکھتے تو کیا کہتے کہ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۲ء تک دو سال کے عرصہ میں نمک کے صرفہ میں ساٹھ ہزار ٹن کی کمی ہو گئی۔ اور اس سے مالگذاری میں چار لاکھ پندرہ ہزار پونڈ کا گھاٹا ہوا۔ نمک کے محصول سے کل آمدنی بیس لاکھ پونڈ ہے۔ سر چارلس کی تجویزیں "جن کا دائرہ بہت مختصر ہے" یہ

۱۔ ڈائرکٹروں کی مجلس میں چوبیس کے بجائے بیس ارکان ہوں۔ ان میں سے بارہ کو مالکان منتخب کریں اور چھ کو بادشاہ۔

۲۔ ڈائرکٹروں کی آمدنی تین سو پونڈ سالانہ سے بڑھا کر پانچسو کر دی جائے

سے یہ ثابت کر دیا کہ اس کی موجودہ تینوں صورتیں (یعنی زمینداری، رعیت داری اور دیہی نظام) ایسی ہیں جن سے کمپنی ہندستانیوں کا استحصال کر کے سرکاری مال گذاری حاصل کرتی ہے۔ اور اس لئے ان میں کوئی اس قابل نہیں کہ اسے پورے ملک میں عام رواج دیا جا سکے۔ لیکن سر چارلس کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ بندوبست اراضی کا ایک دوسرا طریقہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ جو ان تینوں سے بالکل مختلف ہو اور " جہاں تک محکمہ عدل و انصاف کا سوال ہے " آپ نے فرمایا کہ اصل دقت انگریزی قانون کی قانونی باریکیوں سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر لوگوں کو یہ بھی شکایت ہے کہ انگریز جج نا اہل ہیں اور دیسی جج اور عہدے دار رشوت خور ہیں " اور تب سر چارلس نے بتایا کہ ہندستان میں عدل و انصاف کا انتظام کرنے کے لئے حکومت نے بڑی زبردست کوششیں کی ہیں۔ اس کا ثبوت انھوں نے یہ دیا کہ ۱۸۳۳ء میں ہی ہندستان کے لئے ایک قانونی کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن خود سر چارلس کے قول کے مطابق اس کمیشن نے اپنا کام کس طرح پورا کیا تھا؟ اس کمیشن کی تمام کوششوں کا واحد ثمرہ قانون تعزیرات ہند ہے جو مسٹر میکالے کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا۔ یہ قانون ہندستان کے متعدد مقامی حکام کے پاس بھیجا گیا تھا۔ جنھوں نے اسے کلکتہ بھیج دیا۔ وہاں سے اسے انگلستان بھیجا گیا۔ اور انگلستان سے پھر ہندستان واپس بھیج دیا۔ ہندستان میں مسٹر میکالے کی جگہ اس وقت مجلس قانون ساز میں مسٹر بیتھون آ گئے تھے انھوں نے اس قانون کو بالکل بدل دیا اور اس لئے گورنر جنرل نے اسے پھر انگلستان بھیجا۔ گورنر جنرل کو اس وقت یہ خیال نہیں آیا کہ " دیر کرنے سے کمزوری اور خطرہ پیدا ہو سکتا ہے " انگلینڈ سے وہ قانون گورنر جنرل کے پاس واپس بھیج دیا گیا۔ اور انھیں یہ اختیار دے دیا گیا کہ اسے جس شکل میں مناسب سمجھیں پاس کریں۔ لیکن اس دوران میں مسٹر بیتھون کا انتقال

لئے قانون بنایا جائے؟ اس لئے کہ ہمیں یہ امید نہیں کہ "اتنے عظیم الشان اور اہم مسئلہ پر اتنے اطمینان کے ساتھ کارروائی کرنے کا پھر کبھی موقع آئے گا۔" یعنی پارلیمانی طریقے سے ہم اس مسئلے کو اتنی آسانی سے دبا سکیں گے۔ اس کے علاوہ ہم حالات سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی رائے ہے کہ اسی اجلاس میں قانون بنا دینا ضروری ہے۔ اور ہندستان کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے بھی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم جلد سے جلد اپنا قانون مکمل کر لیں۔ لیکن فوری قانون سازی کے حق میں سر چارلس کی سب سے قابل ذکر دلیل یہ تھی کہ گو کہ مباحثہ میں وہ بے شمار مسائل کا ذکر کرنے والے ہیں "جو اس مسودہ قانون میں شامل نہیں ہیں۔" لیکن "جہاں تک قانون سازی کا تعلق ہے۔ وہ جو تجویز پیش کر رہے ہیں۔ اس کا دائرہ بہت مختصر ہے۔" اس تمہید کے بعد سر چارلس نے ہندستان کے پچھلے بیس برس کے نظم و نسق کے لئے معذرت پیش کی اور فرمایا کہ "ہمیں ہندستان کو کسی قدر ہندستانی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے، اور ان کی یہ ہندستانی نظر ایسی ہے کہ مسٹ انگلینڈ میں ہر چیز اچھی دکھائی دیتی ہے۔ اور خود ہندستان کی ہر چیز اس کے لئے بری ہے۔ ہندستان کے لوگ بہت آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے ہیں۔ وہ مذہبی تعصبات اور پرانے رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیز ترقی کی راہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی ہیں سب وہاں موجود ہیں۔" (شاید ایک ڈھنگ مشترکہ وزارت وہاں بھی موجود ہے!) "جن باتوں پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور کمپنی کے پاس جو عرضیاں آتی ہیں ان میں بھی جن کے بارے میں شکایت کی گئی ہے، وہ محکمہ عدل و انصاف رفاہ عامہ کی کمی اور اراضی کے بندوبست سے تعلق رکھتی ہیں۔" جہاں تک رفاہ عامہ کا تعلق ہے حکومت "بہت بڑے پیمانے پر اور بہت اہم" کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جہاں تک بندوبست اراضی کا سوال ہے، سر چارلس نے نہایت کامیابی

مسودہ قانون ہند[1] (ب)

سر چارلس اُڈ کی معذرت

۱۸۳۳ء کا مسودہ قانون ہند۔ مسٹر فاکس اور لارڈ ناتھ کی مشترکہ وزارت کے حق میں مہلک ثابت ہوا تھا اور بہت ممکن ہے کہ ۱۸۵۳ء کا یہ نیا مسودہ قانون ہند مسٹر گلیڈسٹن اور لارڈ جان رسل کی مشترکہ وزارت کے لئے مہلک ثابت ہو۔ لیکن اگر اول الذکر کا خاتمہ اس لئے ہوا تھا کہ وہ ڈائرکٹروں اور مالکوں کی مجلس کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تو موخرالذکر کا وہی حشر بالکل مختلف وجہ سے ہونے والا ہے۔ ۳ر جون کو سر چارلس اُڈ نے حکومت ہند کے مسئلے پر ایک مسودہ قانون پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ سر چارلس اُڈ نے شروع ہی میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تقریر خلاف معمول بہت طویل ہو گئی، کیونکہ مسئلہ بہت بڑا تھا۔ اور "پندرہ کروڑ انسانوں کی قسمت اس سے وابستہ تھی۔" اپنی رعایا میں سے ہر تین کروڑ آدمیوں کے لئے سر چارلس نے ایک ایک گھنٹہ باتیں کیں۔ اس سے کم ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ لیکن جب "ذرا، ذرا سی بات پر آپ قانون سازی کو ملتوی کرتے رہے تو آج اتنی جلدبازی کیوں؟ اس لئے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی سند کی میعاد ۳۰ر اپریل ۱۸۵۴ء کو ختم ہونے والی تھی۔ لیکن سردست عارضی طور پر اسے توسیع کیوں نہ دیدی جائے اور بعد میں پھر مفصل بحث کے بعد زیادہ مدت کے

---

[1] مطبوعہ نیویارک ڈیلی ٹریبون مورخہ ۹ر جون ۱۸۵۳ء

مخالفت کی گئی ہے۔ مانچسٹر گروہ کے لوگوں نے ایک مجلس ہند قائم کی ہے۔ جیسے وہ فوراً حرکت میں لے آئیں گے وہ پارلیمنٹ کے اس اجلاس میں ہندستان کے مسئلے پر کوئی قانون بنانے کے مخالف ہیں۔ اور اس مخالفت میں دارالحکومت میں اور سارے ملک میں جلسے کرنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل دو پارلیمنٹری کمیٹیاں حکومت ہند کے حالات پر رپورٹ تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ لیکن اس بار مشترکہ وزارت نے پختہ فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ کسی کمیٹی کے مشوروں کا انتظار کرنے کو تیار نہیں، وہ براہ راست پندرہ کروڑ آدمیوں کے لئے بیس برس کے لئے آج ہی قانون بنانے پر تل گئی ہے۔ سر چارلس اُڈ کو موجودہ زمانے کا منو بننے کی فکر ہے لیکن سیاست کے ان دائم المریض اور "محتاط" کھلاڑیوں میں اندھا دھند تیزی سے قانون سازی کا جذبہ کیسے پیدا ہوا؟

وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پرانی سند کو پھر بیس سال کے لئے جاری کرنا چاہتے ہیں ہمیشہ سے اصلاح کا جو مطالبہ ہوتا رہا اس کو وہ اپنا حیلہ بنا رہے ہیں۔ مگر کیوں؟ انگریزوں کی اس چند سری حکومت کو ڈر ہے کہ عنقریب اس کے اقبال کا ستارہ غروب ہونے والا ہے اور اس لئے ان کی یہ بالکل "بجا" خواہش ہے کہ قانون سازی کے ذریعہ ایسا بندوبست کر جائیں کہ اگر انگلینڈ ان کے کمزور اور حریص ہاتھوں سے نکل جائے تو بھی آنے والے بیس برسوں کے لئے وہ اور ان کے دوست ہندستان کو لوٹ سکیں۔

(نوٹ صفحہ ۴۲) ۱؎ تینوں پریذیڈنسی سے مراد بنگال، مدراس اور بمبئی ہے۔
۲؎ ڈاؤننگ اسٹریٹ، لندن کا ایک محلہ ہے۔ یہاں انگلستان کے وزیر اعظم رہا کرتے ہیں۔
۳؎ منو قدیم زمانے میں ہندوؤں کا مشہور ماہر قانون گذرا ہے۔ جس نے ہندوؤں کی دنیوی اور مذہبی شریعت مرتب کی تھی۔

رگوں میں یہ نیا خون بھی "شروع میں بہت تھوڑا تھوڑا کرکے" ڈالا جائے گا۔ پرانے ڈارکٹری نظام کا علاج اس ڈھنگ سے ہوگا کہ "تازہ خون" "سخت احتیاط" کے ساتھ داخل کیا جائے اور دوسری خوراک اس وقت دی جائے جب پہلی کا اثر بالکل زائل ہوچکا ہو۔ دوسرے یہ کہ پہلے کی طرح اب ایک ہی آدمی بیک وقت جج اور جنگی کا داروغہ نہیں ہوسکے گا۔ اور جج پڑھے لکھے لوگ ہوا کریں گے۔ یہ تجویز سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے اٹھا کر ہمیں ازمنۂ وسطیٰ کے سب سے ابتدائی دور میں پہنچا دیا ہو۔ جبکہ جاگیرداروں کے بجائے وکیلوں کو جج بنایا جانے لگا تھا۔ اور شرط یہ تھی کہ وہ کم از کم پڑھنا لکھنا ضرور جانتے ہوں۔

اصلاح کی یہ "معقول" تجویز سر چارلس اُڈ پیش کریں گے جو مجلس نگرانی کے صدر ہیں۔ یہ وہی حضرت ہیں جنھوں نے پچھلی وِہگ حکومت میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کا ایسا زبردست مظاہرہ کیا کہ مشترکہ وزارت کچھ دنوں تک یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ بارے یہ ترکیب سوجھ گئی کہ انھیں ہندستان کی گدّی پر بٹھا دیا جائے بادشاہ رچرڈ سویم نے ایک گھوڑے کے لئے اپنی سلطنت پیش کردی تھی۔ یہ مشترکہ وزارت ایک پوری سلطنت کے لئے ایک گدھے کو پیش کررہی ہے۔ اور اگر موجودہ حکومت کی فاترالعقلی ہی انگلینڈ کی موجودہ صلاحیتوں کا نمونہ ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ دنیا پر انگلینڈ کی حکومت کے دن پورے ہوچکے۔

پہلے ایسے موقعوں پر معمولی سے معمولی کارروائی کو بھی ملتوی کرنے کے لئے مشترکہ وزارت ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لایا کرتی تھی، اور ان کے اس رجحان کو آج ہندستان کے مسئلہ پر دو ملکوں کی رائے عامہ کی حمایت بھی حاصل ہے۔ انگلینڈ اور ہندستان دونوں جگہ کے لوگ مطالبہ کررہے ہیں کہ جب تک ہندستان کے باشندوں کی رائے نہ معلوم ہوجائے ضروری معلومات فراہم ہوجائیں اور جو تحقیقات ہونے والی ہے وہ پوری نہ ہوجائے۔ اس وقت تک ہندستان کے مسئلے پر کوئی قانون نہ بنایا جائے۔ پریذیڈنسی سے ڈاؤننگ اسٹریٹ میں عرضیاں آئی ہیں جن میں قانون سازی میں جلدی کرنے کی ... ...

مسودہ قانون ہند[1] (الف)

دیباچہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سند کی میعاد ۱۸۵۴ء میں تمام ہو جاتی ہے۔ لارڈ جان رسل نے دار العوام میں اطلاع دی ہے کہ ہندستان کی آئندہ حکومت کے بارے میں حکومت کے خیالات تیسری جون کو سر چارلس اُڈ بیان کریں گے۔ معتبر حلقوں سے ادھر ایک افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ مشترکہ وزارت نے ہندستانی مسئلے کے سر فلک پیارڈ کو بھی رائی بنانے کی ترکیب معلوم کرلی ہے۔ وزارتی اخباروں نے اشاروں ہی اشاروں میں اس افواہ کی حمایت کی ہے۔ انگریز قوم کی آنکھ سے ایک اور پردہ ہٹنے والا ہے چنانچہ اخبار آبزرور نے انگریزوں کے دماغ کو اس کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا ہے ابرڈین کے اس اخبار نے لکھا ہے کہ "ہماری مشرقی سلطنت کی حکومت کی تنظیم کے سلسلے میں عموماً جتنا خیال کیا جاتا ہے اتنا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔" درست ہے لوگ جتنی امید لگائے بیٹھے ہیں، اتنا لارڈ رسل اور لارڈ ابرڈین کو کرنے کی ضرورت نہیں۔

جو تبدیلی ہونے والی ہے اس کا نمایاں اظہار دو بہت چھوٹی چھوٹی ترمیمات میں ہوتا ہے۔ اولاً یہ کہ مجلس ڈائرکٹران کی "تجدید" کی جائے گی۔ یعنی اس میں چند نئے ممبر شریک کئے جائیں گے، اور ان کا تقرر براہ راست بادشاہ کرے گا۔ لیکن اس مجلس کی

---

[1] یہ مقالہ نیویارک ڈیلی ٹریبون مورخہ ۹ جون ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا تھا۔

سربسجود ہو گیا، اور ہنومان (بندر) اور سبالا (گائے) کی پوجا کرنے لگا۔

یہ صحیح ہے کہ ہندستان میں سماجی انقلاب کے اسباب پیدا کرنے میں انگلستان کی اغراض حددرجہ ذلیل مصلحتوں پر مبنی تھیں اور ان کو پورا کرنے میں اس نے انتہائی حماقت سے کام لیا۔ لیکن سوال یہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے: کیا ایشیا کی سماجی حالت میں بنیادی انقلاب کئے بغیر انسانیت اپنی منزل تک پہونچ سکے گی؟ اگر نہیں تو انگلستان کے جرائم کچھ ہی کیوں نہ ہوں وہ اس انقلاب کو لانے میں تاریخ کا غیر شعوری آلہ تھا۔

اور اس لئے اگلے وقتوں کی اس دنیا کو منہدم ہوتے دیکھ کر ہمارے ذاتی جذبات کو کتنا ہی صدمہ کیوں نہ پہونچے مگر ہم تاریخی اعتبار سے گیٹے کے الفاظ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے :۔

" پھر یہ مصیبت ہمارے لئے سوہان روح کیوں بنے؟
یہ تو ایک بڑی آنے والی مسرت کا پیش خیمہ ہے۔
کیا تیمور کے عہد میں بھی
بے شمار جانیں ہلاک نہیں کی گئی تھیں؟ "

یہ نظارہ انسانی طبیعت پر سخت گراں گذرتا ہے کہ لاتعداد محنتی، امن پسند قبیلی، اور بے آزار سماجی تنظیمیں ٹوٹ رہی ہیں۔ ان کے اجزائے ترکیبی منتشر اور غم واندوہ کے سمندر میں ڈوبتے جا رہے ہیں، ان کے افراد اپنی قدیم تہذیب سے بے بہرہ اور کسب معاش کے موروثی وسیلوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہی دیہاتی برادریاں جن کو رشک فردوس کہتے ہیں، جو بظاہر بہت بے آزار معلوم ہوتی ہیں۔ حقیقت میں وہ ٹھوس بنیادیں ہیں جن پر ہمیشہ سے مشرق کی استبدادی حکومت کا مدار تھا۔ جنھوں نے انسانی ذہن کو جہاں تک ممکن ہوا بے حد تنگ دائرے میں قید رکھا، اس کو اوہام کا بے بس غلام بنایا، روایات کی زنجیروں میں سختی سے جکڑ دیا، اور اس کو تمام عظمت اور تاریخی سرگرمیوں سے محروم کر دیا۔ ہمیں اس وحشیانہ خودپسندی کو بھولنا نہیں چاہئے۔ جو اپنے حقیر قطعہ زمین پر سمٹ کر خاموشی کے ساتھ سلطنتوں کو بگڑتے، ناگفتہ بہ مظالم کا ارتکاب اور بڑے بڑے شہروں میں آبادی کا قتل عام ہوتے دیکھا کرتی اور اس سے زیادہ کچھ نہ سوچتی کہ یہ قدرتی واقعات ہیں اور اگر کوئی حملہ آور اعتنا کے قابل سمجھتا تو بے بسی کے ساتھ اس کا شکار بن جاتی۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ جامد، بے وقار اور بے کار زندگی، یہ حیات جو خود موت کو شرما رہی تھی دوسری طرف تخریب کی وحشیانہ، بے مطلب اور غیر محدود قوتوں کی تخلیق کا باعث ہوئی۔ اور اس نے خودکشی کو بھی ہندستان میں ایک مذہبی رسم بنا دیا۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ چھوٹی چھوٹی برادریاں ذات پات کے امتیازات اور غلامی کی گندگی سے آلودہ تھیں انھوں نے انسان کو حالات پر قادر کرنے کے بجائے، انسان کو خارجی حالات کا غلام بنا دیا، ایک سماجی حالت کو جو آپ ہی آپ نمودار ہو رہی تھی۔ ایک غیر متغیر تقدیری امر قرار دیا اور اس طرح فطرت کی پرستش شروع کر دی جو انسانیت کے جوہر کو غارت کر دیتی ہے، اور اس پستی کا اظہار یوں کیا کہ انسان جو فطرت میں سب سے برتر تھا

آدمی کے سپرد کردئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں ان کی تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح کی سیدھی سادھی بلدی حکومت کے تحت اس ملک کے باشندے مدت مدید سے رہتے آئے ہیں، گاؤں کی سرحد شاید ہی کبھی بدلی ہو۔ اور گو کہ خود گاؤں کو کبھی کبھی جنگ، قحط یا وبائی امراض سے نقصان پہنچا ہے۔ کبھی کبھی وہ بالکل تباہ بھی ہوگئے ہیں، مگر وہی نام، وہی حدود، وہی مفاد، حتیٰ کہ وہی خاندان، مدتوں قائم رہے ہیں۔ سلطنتوں کے بگڑنے اور ٹوٹنے پر ملک کے باشندوں نے کبھی دردِ سر مول لینا مناسب نہیں سمجھا۔ جب تک خود گاؤں سالم رہا انھوں نے مطلق پرواہ نہیں کی کہ اسے کس کی حکومت میں منتقل، یا کس سلطان کے سپرد کیا گیا۔ اس کی اندرونی معیشت ایک حالت پر قائم رہی۔ وہی پٹیل اب بھی گاؤں کا مکھیا ہے، وہی آج بھی دیوانی اور فوجداری کے چھوٹے چھوٹے مقدمات فیصل کرتا ہے اور گاؤں سے مال گذاری وصول کرتا ہے۔"

سماجی نظام کی یہ مختصر بنی بنائی صورتیں زیادہ تر ٹوٹ چکی یا ٹوٹتی جارہی ہیں۔ جس کی وجہ انگریز تحصیلدار اور انگریز سپاہی کی وحشیانہ مداخلت نہیں بلکہ بڑی حد تک انگریزوں کی دخانی مشینیں اور آزاد تجارت ہے۔ ان خاندانی برادریوں کی بنیاد گھریلو صنعت پر یعنی ہاتھ سے سوت کاتنے، ہاتھ سے کپڑا بننے اور ہاتھ سے کھیت جوتنے کے عجیب وغریب اجتماع پر تھی، جس نے ان کو خود کفالتی بنادیا تھا انگریزوں کی دست اندازی نے لنکاشائر[1] میں سوت کاتنے والے مقرر کئے اور کپڑا بننے والوں کو بنگال میں رہنے دیا۔ یا ہندستان میں کاتنے والے اور بننے والے دونوں ہی کا خاتمہ کردیا۔ اور ان نیم بربر، نیم مہذب برادریوں کو توڑ دیا۔ ان کی معاشی بنیاد چور چور کردی اور جہاں تک معلوم ہے ایشیا میں سب سے بڑا اور سچ پوچھو تو پہلا سماجی انقلاب برپا کیا۔

---

[1] انگلستان کا ایک شہر جو کپڑے کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔

مخصوص اوصاف تھے، یہی دیہاتی نظام کہلاتا ہے۔ اس نظام کی بدولت ان چھوٹے چھوٹے مرکزوں میں آزاد تنظیمیں پیدا ہوگئیں جن کی زندگی اوروں سے الگ تھلگ تھی۔ اس نظام کی ممتاز خصوصیت کا اندازہ مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے۔ جو ہندستانی معاملات پر برطانوی دارالعوام کی ایک قدیم رپورٹ میں درج ہے۔

"جغرافیائی اعتبار سے ایک گاؤں ایک خطہ زمین ہے جس میں کئی سو یا کئی ہزار ایکڑ قابل کاشت اور پرتی زمین ہوتی ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ ایک کارپوریشن یا بلدیہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ گاؤں کا عملہ مندرجہ ذیل قسم کے عہدہ داروں اور ملازموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پٹیل یا گاؤں والوں کا مکھیا، جو گاؤں والوں کے معاملات کی نگرانی کرتا ہے، باشندوں کے جھگڑے چکاتا ہے، امن عامہ قائم رکھتا ہے اور اپنے گاؤں سے مال گذاری تحصیل کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ اپنے ذاتی اثر اور حالات سے اور لوگوں کے معاملات سے تفصیلی واقفیت رکھنے کی وجہ سے وہ اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں بھی ہے۔ کرنوم جو زراعت کا حساب رکھتا ہے اور اس کے متعلق تمام باتیں اپنی بیاض میں درج کرتا ہے۔ تلیبر اور توطائی۔ پہلے کا کام جرائم اور خلاف قانون حرکتوں کی خبر رکھنا، مسافروں کی خبرگیری کرنا اور ان کو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں پہونچا آنا ہے۔ دوسرے کا حلقۂ اختیار براہ راست گاؤں کے اندر محدود ہے۔ اس کے فرائض میں فصل کی حفاظت کرنا۔ اور ان کا وزن کرانا ہے۔ سرحد والا جو گاؤں کی سرحد کو قائم رکھتا ہے اور جھگڑے کی صورت میں اس کے متعلق گواہی دیتا ہے۔ تالاب اور پانی کی نالیوں کا مہتمم، کاشت کے لئے پانی تقسیم کرتا ہے۔ برہمن گاؤں کی پوجا پاٹ کراتا ہے۔ گرو جی زمین پر بیٹھ کر بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک جوتشی یا نجومی ہے۔ یہی ہیں گاؤں کے کارپرداز۔ لیکن ملک کے بعض علاقوں میں ان کی تعداد کم ہے اور جو فرائض اوپر بتائے گئے ہیں ان میں سے اکثر کئی ایک ہی

یورپ جایا کرتے اور ان کے عوض میں یورپ چاندی سونا بھیجا کرتا تھا۔ اور اس طرح سنار کو جو ہندستانی سماج کا ایک ضروری رکن ہے اپنے کام کے لئے سامان ملا کرتا تھا۔ وہاں زیورات کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ نہایت ادنیٰ طبقے کے لوگ بھی جو تقریباً ننگے رہا کرتے ہیں عام طور سے سونے کی بالیاں۔ اور گلے میں سونے کا ہار ڈالے رہتے ہیں ہاتھ اور پیر کی انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کا رواج ہے۔ عورتیں اور اکثر بچے بھی چاندی یا سونے کے بھاری پازیب اور کنگن پہنے رہتے ہیں، دیوتاؤں کی سونے یا چاندی کی مورتیاں اکثر گھروں میں پائی جاتی ہیں۔ انگریز غاصبوں نے آکر ہندستان کے دستی کرگھے کو توڑ دیا اور چرخے کو برباد کر ڈالا۔ اور پھر ہندستان میں موٹے قسم کے سوت کو رواج دیا اور اس ملک کو جو روئی کا اصلی وطن ہے روئی کے سامان سے بھر دیا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۶ء تک برطانیہ سے ہندستان میں سوت کی برآمد کا تناسب ایک سے بڑھ کر ۵۲۰۰ تک پہونچ گیا ۱۸۲۴ء میں برطانیہ سے ہندستان میں برطانوی ململ کی برآمد بمشکل دس لاکھ گز ہوگی مگر ۱۸۳۷ء میں چھ کروڑ چالیس گز سے زیادہ تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ ڈھاکہ کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے کم ہو کر بیس ہزار ہو گئی۔ ہندستان میں ان شہروں کا زوال ہونے لگا جو اپنی پارچہ بافی کے لئے مشہور تھے۔ لیکن اسی پر بس نہیں ہوا۔ برطانیہ کی دخانی مشینوں اور سائنس نے ہندستان کے طول و عرض میں ہر جگہ زراعت اور دستکاری کے اتحاد کی جڑ کاٹ دی۔

ہندستانیوں نے ایک طرف تو تمام ایشیائی قوموں کی طرح رفاہ عام کا کام جن پر ان کی زراعت اور تجارت کا سارا دارومدار تھا مرکزی حکومت کی نگرانی میں چھوڑ دیا تھا اور دوسری طرف وہ سارے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ گھریلو بنیاد پر زراعت اور دستکاری کے اتحاد نے انہیں چھوٹے چھوٹے مرکزوں میں جمع کر دیا تھا، ان دو باتوں کی وجہ سے بہت پرانے زمانے میں ہی ایک ایسا سماجی نظام پیدا ہو گیا تھا جس کے اپنے

کی ضرورت آپڑی. زمین کو اس طرح مصنوعی طریقے سے زرخیز بنانے کا دار ومدار مرکزی حکومت پر تھا۔ اور آب رسانی اور آب نکاسی میں غفلت ہونے سے اس میں فوراً انحطاط پیدا ہونے لگتا۔ اس سے ایک اور حقیقت کی تشریح ہوجاتی ہے۔ جو اس کے بغیر بہت عجیب معلوم ہوگی کہ پالمیرا، پیٹرا، یمن کے کھنڈر، مصر ایران اور ہندستان کے وسیع علاقے جو کبھی کھیتی کی بدولت سرسبز وشاداب تھے آج کیوں بنجر اور بے آب وگیاہ بیاباں بنے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح محض ایک جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کوئی ملک صدیوں کے لئے ویران اور اپنی تہذیب وتمدن سے محروم ہوجاتا ہے

انگریزوں نے اپنے پیش روؤں سے مالیات اور جنگ کے شعبے تو لے لئے مگر رفاہ عام سے انھوں نے بالکل غفلت برتی، نتیجہ یہ ہے کہ کھیتیاں سوکھنے لگی ہیں کیونکہ یہاں آزاد مقابلہ، انفرادی آزادی اور حکومت کی عدم مداخلت کے انگریزی اصولوں کی بنیاد پر زراعت نہیں کی جاسکتی ہے، لیکن ایشیائی سلطنتوں میں لوگ کھیتوں کو ایک حکومت میں ویران اور پھر دوسری میں سرسبز ہوتے دیکھنے کے عادی ہیں۔ یورپ میں موسم کے اچھے یا بُرے ہونے سے فصل میں فرق آتا ہے، مگر ایشیا میں فصل کا انحصار اچھی یا بری حکومت پر ہے، اس لئے کہ زراعت کو برباد کرنا اور اس سے غفلت برتنا بجائے خود بری چیز ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ انگریز غاصبوں نے اپنی حرکت سے ہندستانی سماج کو آخری کاری ضرب لگادی ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک اور واقعہ پیش آیا جس کی اہمیت بالکل مختلف ہے اور سارے ایشیا کی تاریخ میں ایک مجوبہ چیز ہے ہندستان کا ماضی سیاسی اعتبار سے کتنا ہی بدلتا ہوا کیوں نہ معلوم ہو لیکن اس کی سماجی زندگی انتہائی قدیم زمانے سے لے کر انیسویں صدی کے پہلے دہ سالے تک ایک حالت پر قائم رہی۔ اس سماج کا ڈھانچہ دستی کرگھے اور چرخے پر قائم تھا، جن پر بے شمار آدمی کاتنے اور بننے کا کام کیا کرتے تھے، بہت قدیم زمانے سے نہایت نفیس قسم کے کپڑے ہندستان سے

ایک وحشی اور من مانی حکومت کی خرابیوں کو اور زیادہ سنگین بنا تا جاتا ہے۔"

ہندستان میں جو خانہ جنگیاں، حملے، انقلابات، فتوحات اور قحط یکے بعد دیگرے ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا اثر بظاہر کتنا ہی عجیب، پیچیدہ، تیز اور تخریبی کیوں نہ معلوم ہو مگر کبھی سطح سے نیچے نہیں اترا۔ لیکن انگلستان نے ہندستانی سماج کی ساری عمارت ڈھادی ہے اور نئی تعمیر کے آثار ابھی تک نظر نہیں آتے، ہندستانیوں کی پرانی دنیا لٹ چکی مگر ابھی نئی دنیا آباد نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ سے ان کی موجودہ مصیبت میں ایک خاص قسم کی افسردگی شامل ہو گئی ہے۔ اور برطانیہ کے راج میں ہندستان کا تعلق اپنی تمام قدیم روایات سے اور اپنی ساری گذشتہ تاریخ سے منقطع ہو گیا ہے۔

ایشیا میں بہت پرانے زمانے سے حکومت کے تین شعبے رہے ہیں: مالیات یعنی اندرون ملک کی لوٹ، جنگ یعنی غیر ملکوں کی لوٹ اور آخر میں رفاہ عام کا شعبہ۔ آب وہوا اور زمین کی خاصیتوں کی وجہ سے خصوصاً اس وسیع بیاباں میں جو صحرائے اعظم، عرب، ایران، ہندستان اور تاتاری سے لے کر ایشیا کے کوہستانی سطح مرتفع تک پھیلا ہوا ہے مشرق کی زراعت کا دار مدار اس پر ہے کہ نہروں اور کارخانہ آب رسانی کے ذریعہ زمین کو مصنوعی طریقہ سے سیراب کیا جائے۔ مصر اور ہندستان کی طرح عراق اور ایران میں بھی طغیانیوں سے زمین کو زرخیز بنانے کا کام لیا جاتا ہے۔ سطح کی بلندی سے فائدہ اٹھا کر آب پاشی کے لئے نہروں میں پانی پہونچایا جاتا ہے۔ پانی کو کفایت شعاری کے ساتھ اور مشترکہ طور پر استعمال کرنے کی اس انتہائی ضرورت نے مغرب میں مثلاً فلانڈرس اور اطالیہ میں لوگوں کو انفرادی کاروبار کے بجائے رضاکارانہ شرکت پر مجبور کیا۔ مگر مشرق میں تہذیب کا معیار اس قدر پست اور علاقہ اتنا وسیع تھا کہ رضاکارانہ اتحاد قائم نہیں ہو سکا۔ یہاں ایک مرکز پر لانے کے لئے حکومت کی دست اندازی کی ضرورت پڑی اور اس طرح تمام ایشیائی حکومتوں کے سر ایک معاشی خدمت یعنی رفاہ عام کا بندوبست کرنے

ے سلسلۂ واقعات کی مثال لیجئے جو ہندستان کی فلاکت کا آغاز اس دور میں بتاتے ہیں جب عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق دنیا کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ انگریزوں نے ہندستان پر جو مصیبت نازل کی ہے وہ اس مصیبت سے بنیادی طور پر مختلف اور کہیں زیادہ شدید ہے، جس میں سارا ہندستان پہلے مبتلا تھا۔ میرا منشا یورپ کے استبداد سے نہیں جس کا پودا برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایشیائی استبداد کی زمین پر لگایا ہے۔ اور جس کا بے میل جوڑ عجیب الخلقت دیوتاؤں کے اس اجتماع سے بھی کہیں زیادہ انسانیت سوز ہے جو سالسٹ کے مندر میں آدمی کو بدحواس کر دیتے ہیں۔

نوآبادیات میں یہ کوئی انگریزی حکومت کی امتیازی صفت نہیں بلکہ صرف ولندیزیوں[1] کی نقالی ہے۔ یہ بات اس قدر صحیح ہے کہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حرکتوں کی نوعیت بیان کرنے کیلئے ان الفاظ کو دہرا دینا کافی ہے، جو جاوا کے انگریز گورنر سر اسٹیمفورڈ رفلیس نے قدیم ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے بارے میں کہے تھے۔

"ولندیزی کمپنی پر صرف منافع کا بھوت سوار ہے، ان کی نگاہ میں اپنی رعایا کی وقعت یا حیثیت اتنی بھی نہیں جو غرب الہند کے کسی کارخانۂ کاشت کے مالک کی نگاہ میں اس کے غلاموں کے دستے کی ہوتی ہے، کیونکہ موخر الذکر نے اپنی انسانی جائداد کو روپیہ دے کر خریدا ہے۔ حالانکہ پہلے کو یہ بھی نہیں کرنا پڑا۔ وہ استبداد کے تمام مروجہ حربوں سے کام لے کر لوگوں کے خون کا آخری قطرہ تک چوس لیتا ہے۔ ان کی محنت کا آخری حصہ تک وصول کر لیتا ہے، وہ ان تمام حرفتوں سے جن کا اہل سیاست میں دستور ہے اور تاجروں کی خود غرضی سے کام لیتا ہے جو کسی دوسرے کی شرکت کا بالکل روادار نہیں۔ اور اس طرح

---

[1] ہالینڈ کے رہنے والوں کو ولندیزی کہتے ہیں۔

واپس لے لیں، مباحثہ ملتوی ہوگیا۔

ہندستان ایشیا کا اٹلی ہے۔ کوہ آلپس کے مقابلے میں وہاں ہمالہ اور لمبارڈی کے میدانی علاقے کے مقابلے میں بنگال کا میدانی علاقہ ہے۔ اپی نائن کی جگہ پر دکن اور جزیرہ سسلی کے بجائے جزیرہ لنکا ہے۔ زمین سے وہاں بھی انواع واقسام کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ سیاسی وضع قطع میں وہاں بھی وہی انتشار پایا جاتا ہے۔ اطالیہ کو وقتاً فوقتاً فاتحوں کی تلوار نے مختلف قومی سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی بالکل ہی طرح ہندستان بھی جب کبھی مسلمانوں، مغلوں یا انگریزوں کے زیر اثر نہیں رہا تو ہر شہر اور حتی کہ اکثر قصبات میں بھی آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں۔ تاہم سماجی نقطۂ نظر سے ہندستان مشرق کا اطالیہ نہیں آئرلینڈ ہے۔ اطالیہ اور آئرلینڈ عیش وعشرت اور غم واندوہ کی دنیاؤں کا وہ ایک عجیب وغریب اجتماع ہے۔ جس کی جھلک ہندستان کے مذہب کی قدیم روایات میں بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس مذہب میں شہوانی بے اعتدالیاں اور خود آزاری اور ترک دنیا دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ اس میں لنگ[1] اور جگن ناتھ دونوں کی پوجا ہوتی ہے۔ اس میں تپسوی سادھو اور ناچنے والی دیوداسی دونوں کی جگہ ہے۔

مجھے ان لوگوں سے اتفاق نہیں جو ہندستان میں ایک ست جگ کے قائل ہیں مگر میں اپنی رائے کی تصدیق کے لئے سرچارلس وڈ کی طرح قلی خاں کی سند نہیں پیش کروں گا۔ بلکہ مثال کے لئے اورنگ زیب کا عہد لے لیجئے۔ یا وہ عہد لیجئے جب شمال میں مغل اور جنوب میں پرتگیز نمودار ہوئے یا جب مسلمانوں کا حملہ ہوا اور جنوبی ہند میں سات رجواڑے قائم تھے۔ یا جی چاہے تو زمانہ قدیم کی سیر کر آئیے۔ خود برہمنوں کی دیومالا

---

(۱) لنگ عضو تناسل کو کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں اور خصوصاً ان کے فرقہ لنگایت میں آج تک شیوجی کے لنگ کی پرستش کا رواج چلا آتا ہے۔

ہندستان میں برطانوی حکومت

(یہ مقالہ ۵ ؍ جون ۱۸۵۳ء کے نیویارک ٹربیون میں شائع ہوا تھا)

وائنا سے بذریعہ تار اطلاع ملی ہے کہ وہاں یہ امر یقینی سمجھا جانے لگا ہے کہ ترکی، سارڈی نیا[1] اور سوئٹزرلینڈ کے مسائل پُرامن طریقے سے حل کرلئے جائیں گے۔

کل کی رات بھی دارالعوام میں ہندستان کے مسئلے پر مباحثہ ہوتا رہا جو حسب معمول نہایت غیر دلچسپ تھا۔ مسٹر بلیکٹ کو شکایت تھی کہ سر چارلس وُڈ اور سر جیمس ہاگ کے بیانات میں خوش امیدی کی جھوٹی تصویر پیش کی گئی ہے۔ مجلس وزارت اور ڈائرکٹروں کے حامیوں نے جہاں تک بن پڑا اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی اور آخر میں مسٹر ہیوم نے خلاصہ کرتے ہوئے وزرا سے درخواست کی کہ اپنے مسودۂ قانون کو

---

[1] موجودہ اطالیہ کا شمال مغربی حصہ اُس زمانے میں سارڈی نیا کے نام سے مشہور تھا جو خود ایک آزاد سلطنت تھی اس وقت تک اطالیہ شمال مغرب میں سارڈی نیا جنوب میں نیپلس اور سسلی اور وسط میں پاپائے روم کی سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا۔ شمال مشرقی علاقہ آسٹریا کے تابع تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں سارڈی نیا کا سب سے بڑا مسئلہ اطالیہ کے مختلف حصوں کے اتحاد کا مسئلہ تھا۔ سارڈی نیا کا بادشاہ اور اس کا نامور وزیر کاوُر سارے اطالیہ کو اپنے زیر اثر متحد کرلینا چاہتے تھے اور بالآخر ۱۸۶۱ء میں سارڈی نیا کا بادشاہ وکٹر ایمینوئل سارے اطالیہ کا بادشاہ بن گیا۔

پہلا حِصّہ

ہندستان کے مسئلے پر کارل مارکس کے

مقالات

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد ہندستان میں انگریزی حکومت نے بھی چولا بدلا ہندستان میں زمانہ حال کی سامراجیت والیان ریاست کی محافظ ہے ان کو پال پوس کر اس نے اپنے لئے کاٹھ کا پتلا بنایا ہے۔ اور جیسا کہ جدید دستور ہند سے ظاہر ہوتا ہے ان کی سیاسی اہمیت کو بہت بڑھا چڑھا کر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ رجعت پسند سماجی اور مذہبی رسوم کو برقرار رکھنے میں مثلاً شادی کی عمر یا اچھوتوں پر سے پابندی اٹھانے کے سوال پر آج کل بڑی سرگرمی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور جو ترقی پسند ہندستانی ان کی اصلاح کا مقابلہ کرتے ہیں ان کی مخالفت کی جاتی ہے۔ جبر و تشدد کا جال بچھا کر تقریر اور اظہار خیال کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہندستانیوں کی سماجی تعلیمی اور صنعتی ترقی میں حکومت مزاحمت پیدا کرتی ہے۔ یہ آثار بتا رہے ہیں کہ سامراجیت زندگی کے معاشی شعبے کی طرح سماجی اور سیاسی شعبوں میں بھی ہندستان میں اس وقت رجعت پرستی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

ہندستان کی پیدا آور قوتیں بڑھ بڑھ کر سامراجیت کی دیواروں سے ٹکرانے لگی ہیں۔ اور فرسودہ معاشی ڈھانچہ کو گرانے کی کوشش کر رہی ہیں جسے سامراجیت نے برقرار رکھا ہے۔ اس نزاع کا اظہار زرعی بحران میں ہوتا ہے، جو سامراجی معیشت کے دیوالیہ پن کی علامت ہے۔ اور مستقبل میں فیصلہ کن تبدیلیوں کی محرک ہے۔ آنے والے زرعی بحران کے آثار جس طرح زاری روس کے آخری برسوں میں اور فرانس میں اٹھارہویں صدی میں نظر آنے لگے تھے اسی طرح آج ہندستان میں نظر آنے لگے ہیں۔ ہندستان میں زرعی انقلاب کی بڑھتی ہوئی قوتیں قومی جمہوری تحریک آزادی سے مل کر ایک ہو گئی ہیں۔ تاریخ ہند میں جس نئے باب کا آغاز ہو رہا ہے اس کی کامیابی انہی دونوں کے اتحاد پر منحصر ہے۔

قانون جاری تھے۔ اس نے مغربی یورپی تعلیم اور خیالات کو پھیلانے میں پیش قدمی کی۔ حتیٰ کہ ایک عرصہ کے لئے چھاپے کی عام آزادی بھی عطا کی۔ اس دور میں ہندستانی سماج میں جو عناصر آگے بڑھ رہے تھے یعنی درمیانی طبقہ جس کی نمائندگی خاص کر راجہ رام موہن رائے[1] نے کی، وہ برطانوی حکومت کا حامی تھا اور اس کی کوششوں میں ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ اور اس کی مخالفت رجعت پسند عناصر نے، چند نواب راجاؤں نے اور جاگیردار طبقوں نے کی جن کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت آخری ہچکی تھی جس کے بعد ان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ لوٹ اور ظلم کے مارے کسانوں کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان کے مطالبات پیش کرنے کی قدرت کسی میں نہ تھی اور اس لئے بغاوت کی شکست لازمی تھی۔

---

[1] راجہ رام موہن رائے برہمو سماج کے بانی اور ہندستان میں نئے خیالات کے پھیلانے والوں میں پہلے شخص ہیں۔ پیدائش ۱۷۷۲ء میں بنگال کے موضع رادھا نگر میں ہوئی۔ پٹنہ آکر فارسی عربی کی تحصیل کی۔ کلکتہ واپس آنے پر انھوں نے بت پرستی اور رسم ستی کی مخالفت کی اور برہمو سماج کے نام سے ایک نیا فرقہ قائم کیا جس کی بنیاد وحدانیت پر ہے۔ اس مسئلے پر انھوں نے فارسی زبان میں ایک کتاب تحفۃ الموحدین لکھی اور ۱۸۲۲ء میں ہندستان میں پہلا ہفتہ وار دیسی اخبار فارسی زبان میں "مرآۃ الاخبار" کے نام سے جاری کیا۔ وہ انگریزی تعلیم کے بڑے سرگرم حامی تھے۔ ۱۸۳۰ء میں اکبر شاہ بادشاہ کی طرف سے اضافۂ پنشن بادشاہی کی پیروی کرنے لندن گئے اور ۱۸۳۳ء میں برسٹل میں وفات پائی۔ راجہ کا خطاب انھیں اکبر شاہ کے دربار سے ملا تھا۔ جو کچھ راجہ رام موہن رائے نے عام طور پر سارے ہندستان کے لئے کیا وہی خدمت سرسید احمد خاں مرحوم نے مسلمانوں کے لئے انجام دی۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں کہ "سرسید نے لندن جانے سے پہلے راجہ رام موہن رائے کو متعدد دفعہ دربار شاہی میں دیکھا تھا۔ سرسید کی عمر اس وقت آٹھ نو برس کی ہوگی۔"

مگر ساتھ ساتھ اس مادی بنیاد پر جو برطانوی حکومت نے فراہم کی تھی ایک جدید صنعت کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ یہ مارکس کی پیشین گوئی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی رفتار ابھی بہت سست ہے۔ لیکن اس نے ہندستانی سماج میں نئے طبقے کی تخلیق کر دی ہے۔ یہ صنعتی مزدوروں کا طبقہ ہے جو جدید مشینی صنعت میں اجرت پر کام کرتا ہے۔ یہی طبقہ نئے سماجی نظام کی تخلیقی قوتوں کا علمبردار ہے۔ ہندستان کا مستقبل اسی کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں مزید تبدیلیوں کی بدولت آج ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ نئی قوتیں وجود میں آگئی ہیں جو مارکس کے زمانہ میں موجود نہ تھیں۔ ہندستان میں حالات اب اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ جن میں پیدا آور قوتیں وسیع پیمانے پر ترقی کر کے موجودہ سطح تک آسکتی ہیں۔ جدید سامراجیت اب وہ خدمات انجام نہیں دے رہی جو اس نے ہندستان میں سرمایہ داری کے ابتدائی تسلط کے زمانے میں انجام دیں اور جو خارجی اعتبار سے انقلابی تھیں۔ اس نے اپنے تخریبی عمل سے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کیا تھا اور اس کے لئے ابتدائی مادی حالات پیدا کئے تھے۔ اس کے برعکس آج ہندستان میں جدید سامراجیت پیداواری قوتوں کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ وہ اپنے مالیاتی اور سیاسی تسلط کے تمام حربوں سے کام لے کر ان کی ترقی میں مزاحم اور حائل ہوتی ہے۔ ہندستان میں سرمایہ دار حکومت کا کوئی عمل آج ایسا نہیں ہے جسے خارجی اعتبار سے انقلابی کہا جا سکے۔ ہندستان میں سامراجیت آج ہر لحاظ سے ایک رجعت پسند طاقت ہے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی نصف حصے میں قدیم ترقی پذیر سرمایہ داری نے ہندستان میں پرانے سماج کی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اس نے بعض رجعت پسند مذہبی اور سماجی رسوم کے خلاف سمجھ بوجھ کر جہاد کیا تھا، والیان ریاست کو یکے بعد دیگرے معزول اور ان کی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ جہاں یکساں قاعدے

کی رجعت پرستی کی پشت پناہ ہے، اب وہ دور آگیا ہے جس میں وہ سیاسی تبدیلی جس کی جانب مارکس نے اشارہ کیا تھا۔ وقت کے فرمان میں داخل ہو چکی ہے۔

ہندستان میں سامراج شاہی کے نتیجے

مارکس نے جب کہا کر برطانوی حکومت ہندستان میں "ایک سماجی انقلاب کے اسباب مہیا کر رہی ہے اور انگلستان اس انقلاب کو لانے میں تاریخ کا غیر شعوری آلہ ہے" تو اس کے ذہن میں دو باتیں تھیں جن کی اس نے خود تشریح کر دی ہے:۔

اول۔ پرانے سماجی نظام کی بربادی۔

دوسرے۔ ایک نئے سماجی نظام کی مادی بنیاد کی فراہمی۔

ان دو عناصر کا عمل آج بھی جاری ہے۔ مگر آج ان کی اہمیت پر نئے دور کی جدید سامراجیت کے اثرات غالب آگئے ہیں جو خود بھی اسی عمل کی پیداوار ہیں۔

قدیم دست کاری کی بربادی ابھی تک جاری ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صنعتی مزدوروں کی مجموعی تعداد میں آج بھی کمی ہو رہی ہے۔ کیونکہ جدید صنعت کی سست رفتار ترقی ابھی تک اس کمی کو پورا نہیں کر سکی ہے۔ قدیم دیہی معیشت کی بربادی بڑھتے بڑھتے اس منزل پر آگئی ہے جہاں نئے تضاد پیدا ہونے لگے ہیں اور عام زرعی بحران کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵) محصول بڑھاکر یا کسی اور طریقے سے نہ پیدا کی جائے۔ یہ اصول بین الاقوامی پیمانے پر آزاد مقابلے کا حامی اور اجارہ داری کا مخالف ہے۔ اٹھارہویں صدی کے وسط سے انیسویں صدی کے آخر تک صنعتی سرمایہ داری کا دور تھا۔ اسی دور میں آزاد تجارت نے بھی بہت فروغ پایا۔ انگلستان اس دور میں آزاد تجارت کا بڑا سرگرم حامی تھا

الجزائر، ولندیزی، پرتگیزی اور ہسپانوی مقبوضات وغیرہ انہیں سردست مزدور طبقے کو اپنے ہاتھوں میں لے لینا چاہئے اور جس قدر جلد ممکن ہوسکے آزادی کی منزل کی طرف بڑھانا چاہئے۔"

"ہندستان میں ممکن ہے، بلکہ گمان غالب ہے کہ انقلاب آئے گا اور چونکہ مزدور طبقہ جو خود آزاد ہو رہا ہو، محکوم ممالک پر جنگ نہیں کرسکتا، اس لئے اس انقلاب کو پوری آزادی دینی ہوگی، اس میں شک نہیں کہ بہت کچھ برباد کئے بغیر یہ طوفان ٹلنے والا نہیں۔ لیکن یہ چیز تمام انقلابوں کا لازمی جزو ہے۔ ممکن ہے اور جگہوں مثلاً الجزائر اور مصر میں بھی یہی صورت پیدا ہو۔ یہ ہمارے لئے سب سے بہتر صورت ہوگی۔"

(اینگلس۔ خط بنام کاٹسکی۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۸۲ء)

ہندستان میں انیسویں صدی کے وسط تک کے حالات کا مارکس نے جو تجزیہ کیا ہے، وہ تین حقیقتوں پر مبنی ہے:۔ اول ہندستان میں برطانوی حکومت کا تخریبی عمل جس نے قدیم سماج کی جڑ کاٹ دی۔ دوسرے سرمایہ داری کے اس دور میں جو آزاد تجارت کا دور تھا ہندستان میں برطانوی حکومت کا تعمیری عمل جس نے مستقبل کے نئے سماج کی بنیادیں فراہم کیں۔ تیسرے اس کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ سیاسی تبدیلی کی ضرورت پیدا ہوگئی تاکہ اہل ہند سامراجی حکومت سے آزادی حاصل کریں اور نئے سماج کی تعمیر کرسکیں۔

سامراجی حکومت کا آج ہندستان میں وہی حال ہے جو ساری دنیا میں سرمایہ داری کا ہے۔ اس کا وہ دور ختم ہونے مدت ہوئی جب وہ خارجی اعتبار سے ترقی پسند تھی اور اس کی زندگی کا ایک تعمیری مقصد بھی تھا۔ اس کا تعلق سرمایہ داری کے اس دور سے ہے جو آزاد تجارت[1] کا دور تھا۔ آج وہ سب سے بڑی رجعت پرست طاقت ہے اور ہندستان میں ہر طرح

۱؎ آزاد تجارت کا اصول یہ ہے کہ مختلف ملکوں کے مابین تجارت میں کسی قسم کی رکاوٹ، چنگی کا

کریں، چاہے خود اپنی کامیاب بغاوت کے ذریعہ سے یا برطانیہ میں صنعتی مزدور طبقے کی فتح کے ذریعہ سے جس کی بدولت اہل ہند کی آزادی یقینی ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک سامراجیت کے تمام مادی کارناموں سے اہل ہند کو کوئی نفع اور ان کی حالت میں کسی قسم کا سدھار نہیں ہوگا۔

" انگریز سرمایہ داروں کو مجبور ہو کر جو کچھ کرنا پڑے گا اس سے عام لوگوں کو نہ تو آزادی ملے گی اور نہ ان کی سماجی حالت میں مادی اعتبار سے کوئی قابل ذکر اصلاح ہوگی۔ کیونکہ اس کا انحصار صرف پیدا آور قوتوں کی ترقی پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ عوام ان کو اپنے تصرف میں لے آئیں۔ لیکن اس سے یہ ضرور ہوگا کہ دونوں کی مادی بنیاد پیدا ہو جائے گی۔ سرمایہ داروں نے کہیں اس سے زیادہ بھی کچھ کیا ہے؟ افراد کو اور قوموں کو خاک و خون میں غلطاں اور مصیبت و پستی میں مبتلا کئے بغیر انھوں نے کبھی ترقی کا کوئی قدم اٹھایا ہے؟

" برطانوی سرمایہ داروں نے ہندستانیوں میں نئے سماج کے جو بیج چھڑک دیئے ہیں ان کا ثمرہ اہل ہند کو نہیں ملے گا۔ تاوقتیکہ خود برطانیہ میں صنعتی مزدور طبقہ موجود حکمراں جماعت کو بے دخل نہ کردے یا خود اہل ہند میں اتنی طاقت نہ پیدا ہو جائے کہ وہ انگریزوں کا جُوا گردن سے اتار پھینکیں۔" (ایضاً)

اسی کے ساتھ اینگلس کا وہ بیان بھی دیکھ لینا چاہئے جو اس نے ۱۸۸۲ء میں انقلاب ہند کے امکانات اور محکوم اقوام کی آزادی کی ضرورت کے بارے میں لکھا تھا۔

"میری رائے میں صحیح معنوں میں جو نو آبادیات ہیں یعنی جن ملکوں میں اہل یورپ آباد ہیں۔ جیسے کینیڈا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ سبھی آزاد ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس جن ملکوں میں دیسی باشندے آباد ہیں، جو محض محکوم ہیں، جیسے ہندستان

جس زمانے میں یہ باتیں لکھیں اس وقت اس دور کا بس آغاز ہی ہو رہا تھا۔ مارکس نے اس نئی ترقی کے نئے نتیجے دیکھ کر جو پیشین گوئی کی تھی وہ ہندستان کے بارے میں اس کے اعلانات میں سب سے مشہور ہے۔

"میں جانتا ہوں کہ انگریزی مل مالک ہندستان میں ریلوے بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کی غرض صرف یہ ہے کہ اپنی مصنوعات کے لئے کم خرچ پر روئی اور دوسری خام اشیاء حاصل کریں، لیکن جب آپ ایک ایسے ملک میں جہاں لوہا اور کوئلہ موجود ہے وسائل نقل و حمل میں مشین کو رواج دیں گے تو اس ملک کے تانے بانے سے اس کو الگ رکھنا آپ کے اختیار میں نہیں ہوگا۔ آپ ایک وسیع ملک میں ریلوں کا جال قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ تاوقتیکہ ان تمام صنعتی طریقوں کو رواج نہ دیں جو ریلوں کی نقل و حرکت کی فوری اور روزمرہ کی ضرورت پورا کرنے کے لئے ضروری ہیں اور جن سے مشینوں کا استعمال صنعت کے ان شعبوں میں بھی پھیلتا جائے گا جن کا ریلوے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ہندستان میں ریل صحیح معنی میں جدید صنعت کا پیش خیمہ ہے۔ ریلوں کی بدولت جو جدید صنعت پیدا ہوگی وہ محنت کی اس موروثی تقسیم کو تہ و بالا کر دے گی جس پر ہندستان کی ذات پات کا مدار ہے۔ اور جو ہندستان کی ترقی اور ہندستان کے اقتدار میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔" (مارکس۔ ہندستان میں برطانوی حکومت کے آئندہ نتیجے)

تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ مارکس کی رائے میں سامراجیت ہندستان میں ایک ترقی پسند قوت تھی جس میں اہل ہند کو آزاد کرنے اور سماجی ترقی کے راستے پر آگے لے چلنے کی قدرت ہو؟ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ مارکس نے جب ہندستان میں برطانوی سرمایہ دار حکومت کی "تعمیری" خدمت کا ذکر کیا تو یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کا منشاء صرف اسی خدمت سے ہے جو ارتقاء کی مادی بنیادیں قائم کرنے میں انجام دی جاتی لیکن ارتقا کی یہ نئی راہ خود اہل ہند کو طے کرنی ہے بشرطیکہ وہ سامراجی حکومت سے آزادی حاصل

۱۔ "سیاسی اتحاد... شاہان مغلیہ کے عہد کی نسبت کہیں زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتا جارہا ہے۔ اور تار برقی سے اس کو تقویت اور پائداری نصیب ہونے والی ہے"

۲۔ "دیسی فوج" (یہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کی بات ہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد اس فوج کو خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا اور پھر فوج میں ایک تہائی انگریز رکھے جانے لگے اور انگریزوں کا فوجی قبضہ بہت مضبوط کر لیا گیا)

۳۔ "آزاد اخبارات، ایشیائی سماج میں پہلی بار نمودار ہوتے ہیں (یہ اس وقت کی بات ہے جب ۱۸۳۵ء میں ہندستان میں چھاپے کی آزادی کا اعلان کیا گیا تھا لیکن ۱۸۲۳ء سے چھاپے کے متعدد قوانین پاس ہوتے شروع ہوئے۔ جو بعد کو سامراجی حکومت کے موجودہ دور انحطاط میں اور سخت ہوتے گئے)

۴۔ "اراضی میں ذاتی ملکیت" کا رواج "جس کا ایشیائی سماج میں کہیں وجود نہ تھا"۔

۵۔ "ہندستانیوں کی ایک تعلیم یافتہ جماعت کو بادل ناخواستہ اور کم تعداد میں ہی سہی وجود میں لے آنا جو حکومت کرنے کی قابلیت رکھتی تھی اور یورپی سائنس کے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔"

۶۔ نقل و حمل کے دخانی وسیلوں کی بدولت "یورپ سے مستقل اور تیز تر آمد و رفت" کا سلسلہ۔

مگر ہندستان کے صنعتی سرمایہ دارانہ استحصال کا جو ناگزیر نتیجہ نکلا وہ ان سبھوں سے زیادہ اہم تھا۔ ہندستان کی منڈی کو زیادہ مفید بنانے کے لئے ضروری تھا کہ "ہندستان کو ایسا ملک بنا دیا جائے جہاں پیداوار کا سلسلہ برابر جاری رہے"۔ تاکہ وہ ایک ایسا مخرج بن جائے جو مصنوعات کی درآمد کے عوض میں خام اشیاء برآمد کر سکے۔ اس کے لئے ریلوے، سڑکوں اور آب پاشی کے وسائل کو ترقی دینے کی ضرورت پڑی۔ مارکس نے

انقلاب کے بغیر انسانیت اپنی منزل تک پہونچ سکے گی؟ اگر نہیں تو انگلستان کے جرائم کچھ ہی کیوں نہ ہوں وہ اس انقلاب کو لانے میں تاریخ کا غیر شعوری آلہ تھا۔" (ایضاً)

ہندستان میں برطانوی حکومت کا تعمیری[1] عمل

مارکس کی رائے میں انگلستان کو "ہندستان میں دوہری خدمت انجام دینی تھی۔ ایک تخریبی اور دوسری تعمیری۔ پرانے ایشیائی سماج کو برباد کرنا اور ایشیا میں مغربی سماج کی مادی بنیادیں ڈالنا۔" ابھی تک صرف تخریبی پہلو نظر آرہا تھا۔ لیکن تعمیر کا کام بھی شروع ہوچکا تھا۔

"فاتحوں میں انگریز پہلے تھے جو ہندو تہذیب سے برتر اور اس لئے اس کی دست رس سے باہر تھے۔ انھوں نے اس تہذیب کو برباد کردیا۔ دیسی برادریاں توڑ ڈالیں دیسی صنعت وحرفت کی جڑ کاٹ دی اور دیسی سماج میں جن چیزوں کو عظمت اور بلندی حاصل تھی ان کی عظمت اور بلندی چھین لی۔ ہندستان میں ان کی حکومت کی تاریخ کے صفحات میں اس تخریب کے سوا شاید ہی کوئی چیز ملے۔ تعمیر کا کام بربادیوں کے ڈھیر میں مشکل سے انجام پاتا ہے۔ مگر اس کی ابتدا ہوچکی ہے۔"

(مارکس۔ ہندستان میں برطانوی حکومت کے آئندہ نتیجے)

مارکس نے کن چیزوں میں اس تعمیر کا آغاز دیکھا؟ وہ کئی چیزوں کا ذکر کرتا ہے:۔

---

[1] مارکس نے اپنی تحریر میں یا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ تعمیری نہیں ہے۔ لیکن کوئی دوسرا موزوں لفظ نہ مل سکا۔ جس کی وجہ سے میں نے "تعمیری" لفظ استعمال کیا ہے۔ مگر یہاں یہ ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ اس تعمیری عمل میں قصد اور ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ (مترجم)

ساتھ اس کا شکار بن جاتی۔"

"ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ جامد، بے وقار اور بے کار زندگی، یہ حیات جو خود موت کو شرما رہی تھی، دوسری طرف تخریب کی وحشیانہ، بے مطلب، اور غیر محدود قوتوں کی تخلیق کا باعث ہوئی اور اس نے خودکشی کو بھی ہندستان میں ایک مذہبی رسم بنا دیا۔"

ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ چھوٹی چھوٹی برادریاں ذات پات کے امتیازات اور غلامی کی گندگی سے آلودہ تھیں۔ انھوں نے انسان کو حالات پر قادر کرنے کے بجائے انسان کو خارجی حالات کا غلام بنا دیا۔ ایک سماجی حالت کو جو آپ ہی آپ نمو پا رہی تھی، ایک غیر متغیر تقدیری امر بنا دیا۔ اور اس طرح فطرت کی پرستش شروع کر دی جو انسانیت کے جوہر کو غارت کر دیتی ہے۔ اور اس پستی کا اظہار یوں کیا کہ انسان جو فطرت میں سب سے برتر تھا سربسجود ہو گیا، اور ہنومان بندر اور سبالا[1] گائے کی پوجا کرنے لگا۔"

(مارکس۔ "ہندستان میں برطانوی حکومت")

لہذا مارکس نے اگر ایک طرف ہندستان میں برطانوی معیشت کو (اینگلس کے نام ایک خط میں مورخہ ۱۴ر جون ۱۸۵۳ء) سور کی طرح ناپاک اور بے غیرت بتایا ہے تو اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ برطانیہ کی فتح "تاریخ کا غیر شعوری آلہ" ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ ہندستان میں سماجی انقلاب کے اسباب پیدا کرنے میں انگلستان کے اغراض حد درجہ ذلیل مصلحتوں پر مبنی تھے اور ان کو پورا کرنے میں اس نے انتہائی حماقت سے کام لیا۔ لیکن سوال یہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے۔ کیا ایشیا کی سماجی حالت میں بنیادی

---

[1] سبالا ہندو مذہب کی مقدس گائے کا نام ہے، جو دولت اور مسرت کی علامت سمجھی جاتی ہے اکثر لوگ اسے زمین اور زرخیزی کی دیوی سمجھتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔

مارکس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بنی نوع انسان کو اگر آگے قدم بڑھانا ہے تو اس نظام کو برباد کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان "رشک فردوس گاؤں کی برادریوں" میں انسانیت کو پستی کے جس درجے تک پہونچایا گیا ہے اس کو بیان کرتے ہوئے مارکس کے قلم سے آگ برسنے لگتی ہے۔ اور اس کے الفاظ آج بھی ان لوگوں کے لئے تازیانہ ہیں جو یورپ کی طرح ہندستان میں بھی آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے جانے کی آرزو رکھتے ہیں اور ہندستان میں برطانوی حکومت سے لڑنے کے لئے انگریزوں سے پہلے کے اس ہندستان کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو چرخے اور کرگھے کا ہندستان تھا۔ اور جو ہمیشہ کے لئے مر چکا ہے۔

"یہ نظارہ انسانی طبیعت پر سخت گراں گذرتا ہے کہ لاتعداد محنتی بسر قبیلی اور بے آزار سماجی تنظیمیں ٹوٹ رہی ہیں، ان کے اجزائے ترکیبی منتشر اور غم و اندوہ کے سمندر میں ڈوبتے جا رہے ہیں، ان کے افراد اپنی قدیم تہذیب سے بے بہرہ اور کسب معاش کے موروثی وسیلوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہی دیہاتی برادریاں جن کو رشک فردوس کہتے ہیں، جو بظاہر بہت بے آزار معلوم ہوتی ہیں، حقیقت میں وہ ٹھوس بنیادیں ہیں جن پر ہمیشہ سے مشرق کی استبدادی حکومت کا دارومدار تھا۔ جنھوں نے انسانی ذہن کو جہاں تک ممکن ہوا بے حد تنگ دائرے میں قید رکھا۔ اس کو اوہام کا بے بس غلام بنایا، روایات کی زنجیروں میں سختی سے جکڑ دیا اور اس کو تمام عظمت اور تاریخی سرگرمیوں سے محروم کر دیا۔

ہمیں اس وحشیانہ خود پسندی کو بھولنا نہیں چاہئے جو اپنے حقیر قطعہ زمین پر سمٹ کر خاموشی کے ساتھ سلطنتوں کو بگڑتے، ناگفتہ بہ مظالم کا ارتکاب اور بڑے بڑے شہروں میں آبادی کا قتل عام ہوتے دیکھا کرتی اور اس سے زیادہ کچھ نہ سوچتی کہ یہ قدرتی واقعات ہیں، اور اگر کوئی حملہ آور اسے اعتنا کے قابل سمجھتا تو بے بسی کے

نہایت بے رحمی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مال گذاری وصول کی گئی۔ مگر اس کے عوض زراعت کی ضروری توسیع اور رفاہ عام کے لئے کوئی رقم نہیں دی گئی (۱۸۵۰-۵۱ء میں ایک کروڑ ۳۹ لاکھ پونڈ مال گذاری میں سے صرف ۱۶۶۳۹۰ پونڈ یعنی ۰ر۸ فیصدی رفاہ عام کے کاموں پر خرچ ہوتے تھے) اس وجہ سے زراعت کی ترقی کا راستہ بھی بند تھا۔

"یہ لگان کبھی کبھی اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ان حالات اور وسائل کا دوبارہ پیدا کرنا ناممکن ہو جاتا ہے جن سے پیداوار قائم رکھی جا سکے۔ پیداوار کی توسیع کم و بیش ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور خود کاشت کار اس قدر تہی دست ہو جاتا ہے کہ کم سے کم خوراک پر وہ کسی طرح جسم و جان کا تعلق برقرار رکھتا ہے۔ یہ حالت ایسے وقت میں خاص کر پیش آتی ہے جب ایک فاتح صنعتی قوم صورت حال کا استحصال کرے جیسا کہ انگریز ہندستان میں کرتے ہیں۔"

(مارکس "سرمایہ" جلد ۳۔ باب ۴۷۔ تیسرا حصہ)

برطانیہ ہندستان سے جو خراج وصول کرتا ہے، اس کا ذکر مارکس نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"ہندستان کو "اچھی حکومت" کے واسطے اور سود اور منافع میں پچاس لاکھ پونڈ دینا پڑتا ہے۔ اس میں وہ رقم شامل نہیں جو عہدے دار ہر سال اپنی تنخواہ سے بچا کر گھر بھیجا کرتے ہیں، یا جو انگریز سوداگر صنعت میں لگانے کے لئے انگلستان بھیجتے ہیں۔"

(مارکس۔ "سرمایہ" جلد ۳۔ باب ۲۵۔ چوتھا حصہ)

لیکن کیا اس دیہی نظام کے زوال اور قدیم ہندستانی سماج کی بربادی پر مارکس نے آنسو بھی بہائے ہیں؟ مارکس نے دیکھا تھا کہ سرمایہ دار سماجی انقلاب نے ہر ملک میں جو مصیبتیں نازل کی ہیں ان کا کوئی ٹھکانا نہیں، خصوصاً ہندستان میں کہ یہاں انقلاب کو خاص حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ لیکن دیہی نظام کی رجعت پروری بھی

پرجس کی برآمد کا چوتھائی حصّہ ہندستان کی منڈی میں آیا کرتا۔ برطانیہ کی آبادی کے آٹھویں حصّے کی معاش منحصر تھی، اور اس سے قوم کی کل آمدنی کا بارہواں حصّہ حاصل ہوتا تھا۔

"۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۶ء تک برطانیہ سے ہندستان کو سوت کی برآمد میں ایک تا ۵۲۰۰ کے تناسب سے اضافہ ہوا۔ ۱۸۲۴ء میں ہندستان کو برطانوی ململ کی برآمد بمشکل ساٹھ لاکھ گز ہوگی مگر ۱۸۳۷ء میں چھ کروڑ چالیس لاکھ گز تک پہونچ گئی۔ لیکن دوسری طرف ڈھاکہ کی آبادی جو ایک لاکھ پچاس ہزار تھی اب صرف بیس ہزار رہ گئی۔ ہندستان کے شہر جو اپنی ململ کے لئے شہرۂ آفاق تھے ویران ہو گئے۔ لیکن اسی پر مصیبت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ برطانوی دخانی مشینوں اور سائنس نے ہندستان کے طول وعرض میں زراعت اور دست کاری کے اتحاد کی جڑ کاٹ دی۔" (مارکس۔ ہندستان میں برطانوی حکومت)

"برطانوی پارچہ بافی کی مشینوں نے ہندستان میں بڑا زبردست اثر پیدا کیا۔ ۱۸۳۴ء،۳۵ء میں گورنر جنرل نے رپورٹ دی تھی کہ "تجارت کی ساری تاریخ میں ایسی فلاکت کی مثال مشکل سے ملیگی۔ پارچہ بافوں کی ہڈی ہندستان کے میدان میں پڑی دھوپ میں سوکھ رہی ہے۔" (مارکس۔ "سرمایہ" جلد ۱۔ باب ۲۵۔ پانچواں حصّہ)

دیہی نظام "زراعت اور گھریلو صنعت کے اتحاد" کی بنیاد پر قائم تھا۔ "چرخے اور کرگھے پر قدیم ہندستانی سماج کا ڈھانچہ کھڑا تھا"، لیکن "برطانوی غاصبوں نے ہندستانیوں کا چرخہ توڑ ڈالا اور کرگھے کو برباد کر ڈالا۔" اور اس طرح برطانیہ نے "سب سے بڑا اور سچ پوچھو تو ایشیا میں جہاں تک معلوم ہے واحد سماجی انقلاب پیدا کیا"۔ اس انقلاب نے قدیم صنعتی شہروں کو اجاڑ دیا۔ اور ان کی آبادی کو دیہاتوں میں منتقل کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ گاؤں میں معاشی زندگی کے سارے توازن کو بگاڑ دیا۔ اس بے بسی میں آبادی کا دباؤ زراعت پر بہت بڑھ گیا۔ جو بحیثیت مجموعی آج تک اسی طرح قائم ہے۔ اس کے علاوہ کاشت کاروں سے

رسہ کشی ہوتی رہی۔ دونوں کی تہہ میں وہی جد وجہد تھی۔ لیکن صنعتی انقلاب[۱] کی تکمیل کے بعد برطانیہ میں جب صنعتی سرمایہ داری کا غلبہ ہوا تو ۱۸۱۳ء میں یہ اجارہ توڑ دیا گیا۔ اور بالآخر ۱۸۳۳ء میں اس کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔

۱۸۱۳ء سے انگریزی صنعتی مشینی پیداوار کی یورش شروع ہوئی اور اسی کے بعد ہندستان کا معاشی ڈھانچہ قطعی طور پر برباد ہونے لگا۔ مارکس نے بے شمار حقائق کی مدد سے انیسویں صدی کے نصف اول میں اس بربادی کے اثرات کا نقشہ کھینچا ہے ۱۸۳۷ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان ہندستان کو بھیجی جانے والی برطانوی مصنوعات کی کل برآمد ۳۸۶۱۵۲ پونڈ سے ۸۰۲۴۰۰۰ پونڈ یعنی برطانیہ سے کل برآمد کے بتیسویں حصہ سے بڑھ کر آٹھواں حصہ ہوگئی۔ ۱۸۵۰ء میں سوتی مصنوعات پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵) چلایا۔ خاص الزام یہ تھا کہ اس نے ذاتی عداوت کے ماتحت بنگال کے مشہور تاجر نند کمار کو پھانسی دلوائی اور روپیہ حاصل کرنے کے لئے بیگمات اودھ پر بے انتہا ظلم و تشدد کیا۔ سات سال کے بعد بالآخر ہیسٹنگز بری ہوگیا۔

۱؎ صنعتی انقلاب سے مراد وہ زبردست تبدیلیاں ہیں جو اٹھارویں صدی کے وسط سے طریق پیداوار میں رونما ہونے لگی تھیں۔ بھاپ کے استعمال سے سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی مشینیں بنائی گئیں۔ ۱۷۸۴ء میں جیمس واٹ نے پہلا دخانی انجن بنایا۔

مارکس نے ایک مقام پر لکھا ہے۔

"تب بھاپ نے صنعتی پیداوار میں انقلاب برپا کردیا۔ دست کاری کی جگہ دیوپیکر جدید صنعت قائم ہوگئی اور صنعتی متوسط طبقے کی جگہ صنعتی کروڑپتی اور بڑی بڑی صنعتی فوجوں کے رہنما جدید سرمایہ دار سامنے آگئے۔"

(کمیونسٹ مینی فسٹو)

فاظتی محصول[1] کا نظام باقاعدہ طور سے جاری کیا گیا۔ اور یورپ میں توازن قوت[2] کا
سئلہ حل ہو گیا تب کہیں پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وجود کو تسلیم کیا۔ ظاہری
زادی کا وہ دور حقیقت میں اجارہ داری کا دور تھا، مگر یہ اجارے ملکہ ایلزبتھ اور
اہ چارلس اول کے زمانے کی طرح فرمان شاہی کے ذریعہ سے وجود میں نہیں آئے
تھے بلکہ پارلیمنٹ کی منظوری نے انھیں اختیار اور قومی رنگ عطا کیا تھا۔

(مارکس۔ ایسٹ انڈیا کمپنی، اس کی تاریخ اور اس کے نتائج)

اس اجارے کے خلاف انگریزی صنعت و حرفت کے مالک جنھوں نے
ندستانی مصنوعات کو خارج کرنے کا مطالبہ کیا اور مطالبے کو منظور کرایا۔ اور
وسرے انگریز تاجر جن کو ہندستان کی نفع بخش تجارت میں شریک نہیں کیا گیا تھا،
سلسل جد و جہد کرتے رہے۔ ۱۷۸۳ء میں ہندستان کے مسودہ قانون کے سوال
فاکس کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ جس نے منتظمین و مارکان کمپنی کی مجلس کو توڑ دینا چاہا
ور اس کے بعد وارن ہسٹنگز[3] کے مواخذے کے سوال پر ۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۵ء تک تخت

---

1. غیر ملکوں سے سامان کی درآمد پر جو محصول عاید کیا جاتا ہے، اسے حفاظتی محصول بھی کہتے
یں۔ اس کی غرض غیر ملکی مال کی درآمد کی روک تھام کرنی ہوتی ہے۔ تاکہ ملکی مصنوعات
کی حفاظت کی جا سکے۔ اور انھیں ترقی دی جا سکے۔

2. توازن قوت کا اصول انگریز سامراجیوں کی سیاست کی ایک قدیم اور مسلمہ پالیسی ہے
س کا مقصد یہ ہے کہ یورپ کی حکومتوں کو دو جماعتوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ
وئی ایک جماعت بہت زیادہ مضبوط اور با اثر نہ ہو سکے۔

3. وارن ہسٹنگز، لارڈ کلائیو کے بعد ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک ہندستان کا گورنر جنرل تھا۔
نگلستان واپس آنے پر وہگ جماعت کے لوگوں خصوصاً فاکس اور برک نے اس پر مقدمہ

صحیح معنوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا آغاز ۱۷۰۲ء سے پہلے نہیں ہوا۔ اسی سال مختلف جماعتیں جن میں ہر ایک کو دعویٰ تھا کہ ہندستان سے تجارت کرنے کا اجارہ صرف اسی کو حاصل ہے۔ ایک کمپنی میں متحد ہو گئیں، اس کے پہلے تو ابتدائی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وجود بھی کئی بار معرضِ خطر میں پڑ چکا تھا۔ آلیور کرامویل[1] کے دورِ حکومت میں کمپنی کئی سال کے لئے بند ہو گئی تھی، اور ولیم سوئم کے عہد میں یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں پارلیمانی مداخلت کے ذریعہ سے کمپنی ہمیشہ کے لئے توڑ نہ دی جائے۔ اس لندیزی[2] بادشاہ کے عہدِ اقتدار میں جب وہ وِھگ جماعت سلطنت برطانیہ کی آمدنی کی تحصیلدار بن گئی۔ بنیک آف انگلینڈ[3] کا قیام عمل میں آیا۔ انگلستان میں

۱۔ سترہویں صدی میں انگلستان میں دولت مند تاجروں اور سرمایہ داروں کا جو طبقہ ابھر رہا تھا اس کا سب سے ممتاز سیاسی رہنما آلیور کرامویل تھا۔ ۱۶۴۲ء سے ۱۶۴۶ء تک کی خانہ جنگی میں بادشاہ وقت چارلس اول کو شکست دینے کے بعد کرامویل اور اس کی جماعت برسرِ اقتدار آئی۔ ۱۶۵۳ء میں پارلیمنٹ نے اُسے لارڈ پروٹکٹر یا دائی ملک کا لقب عطا کیا اور تب سے اس کا عہد حکومت کرامویل کا عہد حکومت کہلاتا ہے۔

۲۔ ہالینڈ کے رہنے والوں کو لندیزی کہتے ہیں۔ انگلستان کا بادشاہ ولیم سوئم جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہالینڈ کا رہنے والا اور پہلے اسی ملک کا فرماں روا تھا۔

۳۔ بنیک آف انگلینڈ صرف انگلستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں روپیہ کے لین دین کا ایک اہم مرکز شمار ہوتا ہے۔ ۱۶۹۶ء میں ولیم سوئم کی دستوری حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ قرض لینے کی ضرورت ہوئی، جن ساہوکاروں نے اس قرضہ میں اعانت کی انھیں مل کر بنیک آف انگلینڈ قائم کرنے کی اجازت اور عام لوگوں سے روپیہ اٹھانے کے لئے نوٹ جاری کرنے کا اجارہ دیا گیا۔ یہ بنیک وِھگ جماعت کے ساہوکاروں کی ملکیت تھا اور اس سے ان کے سیاسی اقتدار کو بڑی تقویت پہونچی۔

اور اس طرح بے اندازہ دولت بہ جبر حاصل اور انگلستان منتقل کی گئی") دوسرے آب پاشی اور رفاہ عام سے بالکل غفلت برتی گئی۔ پہلے کی حکومتوں نے برابر اس کی دیکھ بھال کی تھی، مگر اب انھیں برباد ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ تیسرے انگریزی نظام اراضی، زمین میں ذاتی ملکیت، زمین کو بیع اور علیحدہ کرنے کا حق اور انگریزوں کا سارا فوجی قانون جاری کر دیا گیا۔ اور چوتھے ہندستان سے درآمد پر پہلے انگلستان میں اور پھر سارے یورپ میں یا تو امتناعی احکام جاری ہوئے یا بہت زیادہ محصول چنگی عاید کر دیا گیا۔

لیکن بایں ہمہ ابھی تک "کاری ضرب" نہیں لگی تھی۔ انیسویں صدی کی سرمایہ داری کے دور میں یہ کام بھی پورا ہو گیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری سے اس مالیاتی گروہ کو قریبی تعلق تھا جس نے وِھگ[1] انقلاب کے ساتھ ہی ساتھ اپنا اقتدار مستحکم کر لیا تھا۔

---

(۱) وِھگ انگلستان کی ایک قدیم سیاسی جماعت کا نام تھا جس میں انگلستان کے تاجر، اور نئے ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کا طبقہ اور چند بڑے بڑے روشن خیال جاگیردار و رؤسا شامل تھے یہ جماعت اقتدار شاہی کو پارلیمنٹ یا دوسرے لفظوں میں اپنے طبقے کے نمائندوں کے ماتحت کرنا چاہتی تھی۔ وِھگ انقلاب سے ۱۶۸۸ء کا وہ انقلاب مراد ہے جس میں وھگ جماعت کے لوگوں نے اپنے مخالف بادشاہ جیمس ثانی کو انگلستان کے تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا انھوں نے جیمس کے داماد ولیم سویم کو جو ہالینڈ کا حکمراں تھا انگلینڈ کا حکمراں بنایا۔ لیکن ولیم سے انھوں نے پہلے ہی یہ شرط کر لی تھی کہ فوج یا خزانہ پر بادشاہ کا کوئی اختیار نہ ہوگا ۱۶۸۸ء کے اس انقلاب سے انگلستان میں صحیح معنوں میں دستوری بادشاہت کا دور شروع ہوتا ہے بعد کے کم و بیش سو برس تک درمیان کے چند سالوں کو چھوڑ کر انگلستان کی عنان حکومت وھگ جماعت کے ہاتھوں میں رہی۔

وغریب ایسے چیدہ، تیز اور تخریبی کیوں نہ معلوم ہو مگر وہ کبھی اوپری سطح سے نیچے نہیں اترا، مگر انگلستان نے ہندستانی سماج کی ساری عمارت ڈھا دی ہے۔ اور نئی تعمیر کے آثار ابھی تک نظر نہیں آتے۔ اہل ہند کی پرانی دنیا تو لٹ چکی مگر نئی دنیا ابھی آباد نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے ان کی موجودہ مصیبت میں ایک خاص قسم کی افسردگی شامل ہو گئی ہے، اور برطانیہ کے راج میں ہندستان کا تعلق اپنی تمام قدیم روایات سے اور اپنی ساری گذشتہ تاریخ سے منقطع ہو گیا ہے۔"

(مارکس۔ ہندستان میں برطانوی حکومت۔ ۲۵ رجون ۱۸۵۳ء)

ہندستان میں برطانوی حکومت کا تخریبی عمل

مارکس نے بڑی توجہ کے ساتھ سراغ لگایا کہ یہ تخریبی عمل پورا کیسے ہوا؟ مارکس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے کو دو دوروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک ۱۸۱۳ء تک اجارہ داری کا دور اور دوسرا ۱۸۱۳ء کے بعد کا دور۔ اس سال یہ اجارہ توڑ دیا گیا تھا اور سارے ہندستان میں صنعتی[1] سرمایہ دارانہ مصنوعات نے تیزی سے یورش کی اور تخریبی عمل کو پورا کیا

پہلے دور میں تخریب کی جانب ابتدائی قدم اٹھائے گئے تھے۔ اول تو کمپنی نے براہ راست بہت بڑے پیمانے پر لوٹ کھسوٹ شروع کی (" اٹھارہویں صدی کی پوری مدت میں جو خزانہ ہندستان سے انگلستان منتقل کیا گیا وہ تجارت سے بہت کم حاصل ہوا تھا کیوں کہ تجارت تو مقابلتہً کسی شمار میں نہیں تھی، ملک میں علانیہ لوٹ کھسوٹ جاری تھی

---

[1] صنعتی سرمایہ داری سے مراد سرمایہ داری کی وہ صورت ہے جس میں بڑے پیمانہ کی مشینی صنعت رواج پائی ہے۔

نہیں پہونچتا"۔ (مارکس "سرمایہ" باب ۱۴۔ جزو ۴)

ہندستان کی اس قدیم معیشت کی بنیادوں کو غیر ملکی سرمایہ داری نے ہلا ڈالا جس کی مانند گی برطانوی حکومت نے کی۔ انگریزوں کا تسلط اسی اعتبار سے پہلے تمام فاتحوں کے تسلط سے مختلف ہے۔ پہلے کے تمام فاتحوں نے معیشت کی بنیادوں سے کوئی تعارض نہیں کیا۔ اور آگے چل کر خود اسی کے سانچے میں ڈھل گئے۔ مگر انگریزوں کے تسلط نے اس بنیاد کو ہی تہ و بالا کر دیا۔ انھوں نے اپنے اقتدار کی غیر ملکی حیثیت بر قرار رکھی، وہ باہر سے عمل کرتے رہے ہاں اپنا خراج وصول کر کے ملک سے باہر لے گئے۔ پھر بھی یہی چیز "ہندستان میں غیر ملکی سرمایہ داری کی فتح" اور "یورپ میں سرمایہ داری کی فتح" میں فرق پیدا کرتی ہے۔ یہاں (ہندستان) تخریبی عمل کے ساتھ ساتھ نئی قوتوں کی نشو و نما نہیں ہونے پائی، اسی سے ایک خاص قسم کی افسردگی" پیدا ہوئی، جو برطانیہ کے راج میں ہندستانیوں کی مصیبت کا خاصہ بن گئی ہے، جن کی پرانی دنیا تو لٹ گئی مگر نئی دنیا آباد نہیں ہوئی"۔

"اس میں شک نہیں کہ انگریزوں نے ہندستان پر جو مصیبت نازل کی ہے، اس کی نوعیت مختلف ہے، اور اس مصیبت سے کہیں زیادہ شدید ہے جس میں اب تک سارا ہندستان مبتلا تھا، میرا منشا یورپ کی استبدادی حکومت سے نہیں جس کا پودا برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایشیائی استبداد کی زمین پر لگایا ہے۔ اور جس کا بے میل جوڑ ان عجیب الخلقت دیوتاؤں کے اجتماع سے کہیں زیادہ انسانیت سوز ہے جو سالسٹ[1] کے مندر میں ہمیں خوفزدہ کر دیتے ہیں۔

تمام خانہ جنگیوں، حملوں، فتوحات اور قحط کا اثر ہندستان میں کتنا ہی عجیب

---

[1] بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے۔

تقسیم کرلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہر کنبے میں ضمنی صنعت کے طور پر سوت کاتنا کپڑا بُننا بھی ہوتا ہے، عام لوگ تو سدا اسی ایک کام میں لگے رہتے ہیں، ان کے علاوہ ایک مکھیا ہے جو منصف کوتوال اور تحصیلدار سبھی کچھ ہے۔ ایک سیاق داں ہے جو کھیتوں کا حساب رکھتا ہے، اور اس سے متعلق تمام باتیں اپنی بیاض میں درج کر جاتا ہے۔ ایک اور افسر مجرموں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرتا ہے، نو وارد مسافروں کی دیکھ بھال کرتا ہے، اور ان کو دوسرے گاؤں میں پہونچا آتا ہے۔ دوسری بستیوں کے مقابلہ میں اپنی سرحد کی دیکھ بھال کے واسطے بھی ایک عہدہ دار تعنیات ہے۔ پانی کے مشترکہ ذخیرے سے پانی تقسیم کرنا داروغۂ آب پاشی کا کام ہے۔ برہمن پوجا پاٹ کرتا ہے۔ گرو زمین پر بیٹھ کر بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتا ہے۔ نجومی یا جوتشی بونے اور فصل کاٹنے اور کھیتی کے کاموں کے لئے منحوس اور مبارک دنوں کا پتہ لگاتا ہے۔ لوہار اور بڑھئی کھیتی کے تمام اوزاروں کی مرمت کیا کرتے ہیں۔ کمہار گاؤں والوں کے لئے برتن بناتا ہے۔ ایک حجام بھی ہے۔ دھوبی کپڑے دھویا کرتا ہے۔ اس کے سوا سنار کہیں کہیں شاعر بھی ہوتا ہے۔ جو کسی برادری میں سنار اور کسی میں گرو کی قائم مقامی کرتا ہے ان ایک درجن آدمیوں کا خرچ ساری بستی کے ذمہ ہوتا ہے۔ آبادی بڑھ جائے تو پرانی بستی کے نمونے پر کسی غیر آباد خطے میں ایک نئی بستی آباد ہو جاتی ہے۔

"یہ خود کفیل بستی برابر نسلاً بعد نسلٍ بعینہٖ اسی صورت میں قائم رہتی ہے اور اگر اتفاق سے برباد ہو جائے تو پھر اسی جگہ اسی نام سے دوبارہ نمودار ہو جاتی ہے، اس کے نظام پیداوار کی سادگی میں ایشیائی سماجوں کے عدم تغیر کا راز پوشیدہ ہے، اس کے برخلاف ایشیائی ریاستوں کے برابر بنتے بگڑتے رہنے اور خاندان شاہی میں برابر رد و بدل ہوتے رہنے سے یہ عدم تغیر اور زیادہ نمایاں ہو گیا ہے۔ سیاست کی فضائے آسمانی میں جو ابر و باد کے طوفان اٹھا کرتے ہیں ان کا اثر سماج کے معاشی عناصر کے ڈھانچہ تک

نیچے دیہی نظام میں قدیم کمیونزم کی دُھندلی نشانیاں موجود تھیں اور اوپر خود مختار مرکزی حکومت تھی جو جنگ اور لوٹ کھسوٹ کے علاوہ آب پاشی اور رفاہِ عام کا اہتمام بھی کیا کرتی تھی۔

لہٰذا ہندستان کو سمجھنے کے لئے اس دیہی نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ دیہی نظام کا سب سے مستند بیان "سرمایہ" میں موجود ہے۔

" ہندستان کی وہ مختصر اور نہایت قدیم بستیاں جن میں بعض اب تک چلی آتی ہیں، زمین کی مشترکہ ملکیت، زراعت اور دست کاری کے اتحاد، اور تقسیم محنت کے ایک ایسے اصول پر مبنی ہیں جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، اور جب کبھی کسی نئی بستی کی داغ بیل پڑتی ہے تو وہ اصول ایک بنے بنائے خاکے اور اسکیم کا کام دیتا ہے۔ ایک بستی سَو سے لے کر کئی ہزار ایکڑ خطہ زمین پر آباد ہوتی ہے وہ بستی ایک مستحکم اور کامل نظام ہے جو اپنی ضرورت کی تمام چیزیں خود پیدا کرتی ہے۔ پیداوار کا کثیر حصہ براہ راست خود بستی کے صرف میں آتا ہے۔ اور جنس[1] کی شکل نہیں اختیار کرنے پاتا۔ اس لئے پیداوار یہاں تقسیم کار کے اس اصول پر کاربند نہیں جو اجناس کے تبادلے کے ذریعہ سے بحیثیت مجموعی ہندستانی سماج میں رواج پا چکا ہے۔ صرف فاضل پیداوار جنس بنتی ہے، اور اس کا بھی اسی قدر حصہ جو ریاست کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، جس کے پاس پیداوار کا ایک حصہ عرصہ دراز سے " لگان بصورت جنس " کے طور پر آیا کرتا ہے۔

" ان قدیم بستیوں کی بناوٹ ہندستان کے مختلف حصوں میں مختلف ہے سب سے سادہ صورت وہ ہے جس میں کھیتی مل جل کر ہوتی ہے اور پیداوار آپس میں

---

[1] علم معاشیات کی اصطلاح میں جنس ان تمام چیزوں کو کہتے ہیں جو محنت کی پیداوار ہوں مگر اپنے ذاتی استعمال کے لئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کے لئے پیدا کی جائیں۔

کی مختلف صورتوں سے ان کے انتشار کی مختلف صورتیں کیونکر پیدا ہوئی تھیں مثلاً رومی اور ٹیوٹنی اقوام میں ذاتی ملکیت کی جو مختلف ابتدائی قسمیں رائج تھیں ان کا سراغ ہندستانی کمیونزم کی متعدد صورتوں میں پایا جا سکتا ہے۔"

(مارکس۔ معاشیات کی تنقید۔ باب اول)

پھر کیا وجہ تھی کہ مغرب کی طرح مشرقی ملکوں میں قدیم کمیونزم نے بڑھ کر زمینداری اور جاگیرداری نظام کی صورت نہیں اختیار کی؟ اینگلس کا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب آب و ہوا اور طبعی حالات میں ملے گا۔

"کیا وجہ ہے کہ اہل مشرق زمین داری یا جاگیرداری نظام کے درجے کو نہیں پہونچے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ آب و ہوا اور اس کے ساتھ زمین کی خاصیتیں ہیں۔ خصوصاً اس وسیع بیاباں کی جو صحرائے اعظم سے عرب، ایران، ہندستان اور تاتار ہوتا ہوا، ایشیا کے کوہستانی سطح مرتفع تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں زراعت کی اولین شرط نہروں سے آبپاشی ہے، اور یہ برادری کا کام ہے یا پھر صوبائی یا مرکزی حکومت اس کو انجام دے سکتی ہے۔" (اینگلس بنام مارکس۔ مورخہ ۶ جون ۱۸۵۳ء)

کاشتکاری کے ان حالات میں اراضی میں ذاتی ملکیت قائم ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا اور اس لئے ایک خاص قسم کی "ایشیائی معیشت" نے جنم لیا جس میں

---

(۱) قدیم کمیونزم کے بعد سماج میں مختلف طبقے پیدا ہو گئے۔ اور اوپر کے طبقوں نے نیچے کے طبقوں کو لوٹنا شروع کیا۔ جاگیرداری نظام بھی اسی لوٹ اور ظلم کی ایک شکل ہے۔ اس میں جاگیردار زمین اور زمین پر کام کرنے والے کسانوں دونوں کا مالک ہوا کرتا تھا۔ ازمنہ وسطیٰ میں یعنی ۶۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک کے دور میں یہ نظام یورپ میں اپنے عروج پر تھا۔ آج بھی کہیں کہیں اس کے دھندلے نشانات موجود ہیں۔

جس کو سرمایہ داری کے ہاتھ سے زندگی میں پہلی بار شکست نصیب ہوئی۔ انگلس نے ماہ جون ۱۸۵۳ء میں ہی مارکس کو لکھا تھا کہ "زمین پر ذاتی ملکیت نہ ہونے میں سارے مشرق کا گر پوشیدہ ہے"۔ لیکن زمین میں ذاتی ملکیت کا نہ ہونا، ابتداءً اس حالت سے مختلف نہیں تھا جس سے بہت قدیم زمانے میں اہل یورپ کی معیشت کا آغاز ہوا تھا، اختلاف آگے چل کر پیدا ہوا۔

"لوگوں میں آج کل ایک غلط خیال پھیلنے لگا ہے کہ مشترکہ ملکیت اپنی قدیم صورت میں سلاف[1] قوموں یا محض روسیوں کا خاصہ ہے۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ رومیوں، ٹیوٹنوں[2] اور کلٹی اقوام میں اسی قدیم صورت کا رواج تھا جس کی متعدد مثالیں آج بھی ہندستان میں قدرے بگڑی ہوئی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ اجتماعی ملکیت کی ایشیائی اور خصوصاً ہندستانی صورتوں کا زیادہ گہرا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ قدیم کمیونزم[3]

---

(۱) سلاف مشرقی یورپ کی ایک نسل ہے جس میں متعدد قومیں یعنی روسی، یوکرینی، سفید روسی، پولستانی، چیک، سلوویک، سربی، کروٹ، سلوینی اور بلغاریہ کے باشندے شامل ہیں۔

(۲) قدیم جرمن قوم کو ٹیوٹن کہتے ہیں۔ وسیع معنی میں یہ لفظ جرمن قوم کے علاوہ ناروے سویڈن کے باشندوں اور اینگلو سیکسن قوم کے لوگوں پر حاوی ہے۔ کلٹی اقوام میں قدیم برطانیہ کی قومیں برطانوی، کارلنوالی، ویلز لی اور آئرستانی شامل ہیں۔

(۳) بہت پہلے زمانے میں انسانی سماج آج کی طرح مختلف طبقوں جیسے زمینداروں، سرمایہ داروں، مزدوروں وغیرہ میں بٹا ہوا نہیں تھا۔ اس وقت لوگ چھوٹے چھوٹے قبیلوں یا برادریوں میں ساتھ ملکر رہتے، ساتھ کام کرتے اور ساتھ کھاتے تھے۔ ملکیت سبھوں کی مشترکہ ہوتی تھی سماج میں اونچ نیچ کا کوئی فرق نہ تھا، اسی سماجی نظام کو قدیم کمیونزم کہا جاتا ہے۔ ذاتی ملکیت کا رواج ہونے کے ساتھ امیر غریب کا فرق پیدا ہوگیا۔ اور قدیم کمیونسٹ سماج کا زوال شروع ہوا۔

وسیع علاقے میں زور پکڑتی جا رہی ہے ؟"
(خطوط مارکس بنام انگلس ۔ ۸ اکتوبر ۱۸۵۸ء)

یورپ میں سرمایہ داری نظام اور اشتراکی انقلاب کی نشوونما کے لئے یورپ کے باہر سرمایہ داری کی توسیع جو اہمیت رکھتی ہے اس کو مارکس اور انگلس نے ... کے زمانے میں ہی سمجھ گئے تھے، اور یہی خیال اس زمانے میں ان کی نظری تحقیق کا ... سے بڑا نتیجہ تھا۔ لیکن یورپ کے اشتراکیوں نے اس خیال کو ابھی حال میں اور بہت آہستہ آہستہ سمجھنا شروع کیا ہے۔

۱۸۵۳ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو دوبارہ سند[۱] عطا کرنے کا سوال آخری مرتبہ انگریزی پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو مارکس نے "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے لئے ہندستان کے مسئلے پر مسلسل آٹھ مضامین لکھے ان مضامین کے ساتھ اگر ... اور خطوط کے حوالے پیش نظر ہوں تو ہندستان کے مسئلے پر مارکس کے خیالات کا ... حاصل ہو جائے گا۔

ہندستان میں دیہی معیشت کی بربادی

مارکس نے اول تو "ایشیائی معیشت" کی خصوصیتوں کی چھان بین کی ...

---

[۱] برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی، انگریز تاجروں کی ایک جماعت مشرقی ممالک خصوصاً ہندستان سے تجارت کرنے کیلئے ۱۶۰۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ یہ ایک سند یافتہ کمپنی تھی یعنی اسے پارلیمنٹ کی سند کے ذریعہ ہندستان سے تجارت کرنیکا اجارہ حاصل تھا۔ کوئی اور کمپنی یا تاجر کو اس ملک سے تجارت کرنیکا مجاز نہ تھا۔ یہ سند کمپنی کو ایک معینہ مدت کے لئے دی جاتی تھی۔ جس کے ختم ہونے پر سند کی تجدید کی ضرورت پڑتی تھی۔

سبب یہ بتایا کہ یورپ کے باہر، ایشیا، آسٹریلیا اور کیلی فورنیا میں سرمایہ داری کی ترقی کی نئی راہیں کھل گئی ہیں، انیگلس نے ۱۸۵۲ء میں ہی اپنے ایک خط میں (بنام مارکس مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۵۲ء) یہ خیال سرسری طور پر ظاہر کیا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں ایک دوسرے خط میں اس کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:۔

"ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ سرمایہ داری سماج ایک بار پھر سولہویں صدی کے حالات میں زندگی بسر کر رہا ہے، اور مجھے امید ہے کہ جس طرح پہلی مرتبہ سولہویں صدی نے اس کو جنم دیا تھا اسی طرح اس بار سولہویں صدی کے حالات اس کی موت کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔ سرمایہ داری سماج کا خاص کام عالمگیر منڈی قائم کرنا، یا کم از کم اس کی عام حدود متعین کر لینا اور اس کی بنیاد پر ایک نظام پیدا وار قائم کرنا ہے۔ اور چونکہ دنیا گول ہے اس لئے کیلی فورنیا اور آسٹریلیا کے آباد ہو جانے اور چین اور جاپان کا دروازہ کھل جانے کے بعد یہ کام بظاہر پورا ہو چکا ہے۔ اب ہمارے لئے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ براعظم (یورپ) میں انقلاب نزدیک آ رہا ہے، جو شروع سے ہی اشتراکی نوعیت اختیار کرے گا۔ لیکن کیا اس چھوٹے سے کونے میں اس کی شکست ناگزیر نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی تو سرمایہ داری سماج کی تحریک ایک بڑے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴) حائل ہیں انھیں دور کر دے، دوسرے لفظوں میں یہ ایک سرمایہ دارانہ جمہوری انقلاب تھا جو بڑھ کر اشتراکی انقلاب کی صورت اختیار کر سکتا تھا، لیکن بقول مارکس اس انقلاب کو انجام دینے کا وقت سرمایہ داروں کے لئے گذر چکا تھا۔ اور مزدوروں کے لئے ابھی آیا نہیں تھا مزدوروں کی انقلابی پیش قدمی سے ڈر کر سرمایہ داروں نے انقلاب سے منھ موڑ لیا اور رجعت پسند جاگیری طبقوں سے جا ملے۔ دونوں نے مل کر مزدور تحریک کو کچل دیا۔ اور اس طرح ۱۸۴۸ء کے انقلاب کا خاتمہ ہوا۔

ایشیائی معیشت کے مخصوص مسائل برابر اس کے پیش نظر رہتے تھے خصوصًا ہندستان اور چین کے مسائل۔ ان ملکوں میں یورپی سرمایہ داری کے تسلط کے اثرات اور دنیا کے مستقبل اور خود ہندستانی اور چینی اقوام کی آزادی کے بارے میں ان سے اخذ کئے جانے والے نتیجے۔ ان مسائل سے اس کی دلچسپی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ "سرمایہ"[1] میں کوئی پچاس جگہ اور مارکس اور اینگلس کے خطوط میں اس سے بھی زیادہ موقعوں پر ہندستان کا ذکر آیا ہے۔

کمیونسٹ مینی فسٹو[2] کی اشاعت (جس میں مارکس اور اینگلس نے بتایا ہے کہ سرمایہ داری نظام پیداوار کی نشوونما کے لئے ہندستان اور چین میں منڈیاں کھلنے کی بڑی اہمیت تھی) اور ۱۸۴۸ء[3] کی انقلابی تحریک کی شکست کے فورًا بعد مارکس اس شکست کے اسباب کی چھان بین کرنے میں مصروف ہوگیا اور اس کا سب سے بڑا

---

[1] "سرمایہ" کارل مارکس کی سب سے بڑی اور اہم تصنیف ہے جس میں اس نے ان قوانین کی تشریح کی ہے جن کے تحت سرمایہ داری کی ابتدا اور نشوونما ہوتی ہے اور پھر وہ اپنے زوال کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔

[2] یہ دنیا کی سب سے پہلی کیمونسٹ جماعت :- کیمونسٹ لیگ کا پروگرام ہے۔ جسے مارکس اور اینگلس نے ایک اعلان نامے کی صورت میں مرتب کرکے ۱۸۴۸ء میں شائع کیا تھا۔ کیمونزم کی یہ اولین اور اہم ترین دستاویز ہے جس میں اس کے سارے بنیادی اصول جامع اور مختصر طور سے بیان کئے گئے ہیں۔

[3] ۱۸۴۸ء میں جب کہ ابھی کیمونسٹ مینی فسٹو شائع بھی نہیں ہونے پایا تھا۔ یورپ کے کئی ملکوں مثلاً فرانس، آسٹریا، جرمنی وغیرہ میں انقلاب کے شعلے بھڑک اٹھے، اس انقلاب کا اصل تاریخی فریضہ یہ تھا کہ سرمایہ داری کی راہ میں ازمنہ وسطیٰ کے جو اثرات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مقدمہ

از رجنی پالمے دت

تیرہ سال پہلے ایک ممتاز انگریز سوشلسٹ نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ
ارکسیت[2] کی معینہ حدود کے اندر ہندستان کے مسائل کا مطالعہ جدت پسندی کی مشق
لتو ہو لیکن اس سے اشتراکی خیالات کی نشو ونما میں کوئی سنجیدہ علمی امداد نہیں مل
لتی" (پروفیسر ہیرلڈ لاسکی ۔ "کمیونزم" صفحہ ۱۹۴ ۱۹۲۷ء)

مغربی یورپ کے اشتراکی مفکرین کی یہ کوتاہ نظری ان کی ناواقفیت کی خاص
مت تھی، وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ مارکس نے برابر اپنے علمی مشاغل اور تصانیف
ایک معتدبہ حصہ ہندستان کے لئے وقف کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۳ء میں
کس نے ہندستان پر جو مشہور سلسلۂ مضامین لکھا تھا، وہ اس کی تمام تصانیف میں
ہت زیادہ بارآور ثابت ہوا، اور آج ان مسائل کا مطالعہ کرنے کے لئے پہلے انھیں
طرف رجوع کرنا ہوگا، ان کی تصانیف کا مکمل مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ

رجنی پالمے دت کا یہ مقالہ ۱۹۴۰ء میں لکھا گیا تھا۔ تیرہ سال پہلے سے انکی مراد ۱۹۲۷ء ہے۔
کارل مارکس کے خیالات اور تعلیمات کے نظام کو مارکسیت کہتے ہیں جو بقول لینن ـــ
آزادی کی جدوجہد میں مزدور طبقہ کا نظریہ ہے۔"

39009

MG4
M392m
U

فہرست

مضامین — صفحہ

مقدمہ — از رجنی پالمے دت — ۳

پہلا حصّہ
ہندستان کے مسائل پر کارل مارکس کے مقالات

۱۔ ہندستان میں برطانوی حکومت
۲۔ مسودہ قانون ہند
الف) دیباچہ
ب) سر چارلس اُڈ کی معذرت
ج) اصلاح کی حقیقت
۳۔ ایسٹ انڈیا کمپنی
۴۔ ہندستان کی حکومت
۵۔ دیسی ریاستیں
۶۔ ہندستان میں برطانوی حکومت کے آئندہ نتیجے

دوسرا حصّہ
مارکس اور انگلس کی تحریروں سے اقتباسات

۷۔ ہندستان میں پنچایتی معیشت کی نشوونما
۸۔ قدیم معیشت کی بربادی
۹۔ سرمایہ جمع کرنے کے ابتدائی طریقے

Marx, Carl
Marks aur Hindustan

مارکس اور ہندستان

ہندستان کے مسائل پر کارل مارکس کے مقالات

مترجمہ

شرف عالم

قومی دارالاشاعت بمبئی ۴

قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک روپیہ

کتب خانہ انجمن ترقی اردو
دہلی

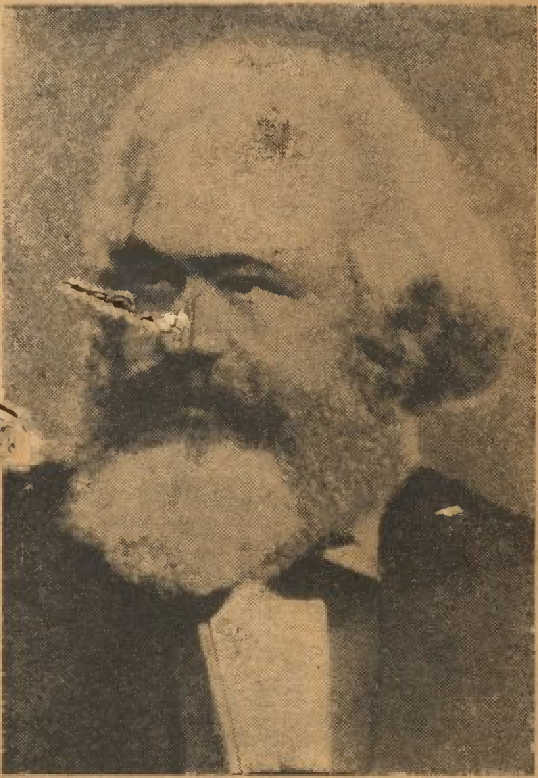

مارکس اور ہندستان

1/25

MG4 .M392m
INSTITUTE .U
OF
ISLAMIC
STUDIES
39009 ★
McGILL
UNIVERSITY

McGill University Library
3 103 153 484 A
ISLAMIC
DS463
M37189
1900z